شاعرِ حسینیت

قیصر بارہوی

کے

منفرد مرثیے

یکے از مطبوعات

حلقہ شعرائے اہلبیت پاکستان لاہور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب :۔ قیصر بارہوی کے منفرد مرثیے

سال :۔ ۱۹۹۰ء

تعداد :۔ پانچ سو

قیمت :۔ ایک سو روپے

مطبع :۔ ظفر سنز پرنٹرز کوپر روڈ لاہور

ناشر : سید حسن عسکری کاظمی سیکرٹری جنرل
حلقۂ شعرائے اہلبیت پاکستان لاہور

کتابت و تصحیح :۔ زیر نگرانی وحید الحسن ہاشمی

★

ملنے کا پتہ

۱۔ امامیہ مشن پاکستان ۲۸، محافظ پلازا انارکلی لاہور
۲۔ اظہار سنز ۱۹۔ اُردو بازار لاہور
۳۔ حبیب پبلی کیشنز امام بارگاہ حسینیہ سجادیہ نارتھ ناظم آباد کراچی
۴۔ سفینہ پبلی کیشنز ۲۵۳۔ ایف رحمان پورہ لاہور

انتساب

الحاج سیّد اشفاق علی کاظمی ایڈووکیٹ گوجرانوالہ کی علم پرور
اور ادب نواز شخصیت کے نام ـــــــــــــــــــــــــ

فہرست

"منفرد مرثیے" میری نظر میں	———	پروفیسر حسن عسکری کاظمی	۵
۱۔ آشوبِ عصر	ظلمتیں کھولتی پھرتی ہیں خدا خیر کرے	شہادت امام حسینؑ	۱۷
۲۔ مظلومیت	مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے	والبکاء محرم	۳۷
۳۔ انسان اور کربلا	انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا	شہادت امام حسینؑ	۵۶
۴۔ علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؐ	عالم غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن	شہادت امام حسینؑ	۷۶
۵۔ کعبہ اور محافظانِ کعبہ	اے اہلِ فکر کعبۂ دل کی اذاں سنو	شہادت انصار و اقربائے امام	۹۹
۶۔ بے ثباتیِ عالم	مسافرانِ عدم کا سفر ارے توبہ	شہادت حضرت عباسؑ	۱۲۰
۷۔ سیدِ مسمومؑ	شہر تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے	شہادت امام حسنؑ	۱۳۹
۸۔ عرفانِ امامت	کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچیے	شہادت حضرت علیؑ	۱۶۰
۹۔ نمازِ دل	دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے	قلوب آلِ محمدؐ	۱۷۹
۱۰۔ نظامِ اسلام	امن عالم کی ضمانت ہے نظامِ اسلام	شہادت امیر المومنینؑ	۱۹۸
۱۱۔ کربلا و نجف	جدید عہد سخن کا نظام لایا ہوں	رخصت امام حسینؑ	۲۲۰
۱۲۔ عظمتِ فن	کیا کیا چراغ اہلِ بصیرت جلا گئے	خطِ جناب صغراؑ	۲۳۹

منفرد مرثیے ــــ میری نظر میں

ــــــــــــــــ پروفیسر حسن عسکری کاظمی

شعری تخلیق میں جس معیار کی طلب قاری کے پیش نظر ہوتی ہے وہی طلب قاری اور فنکار کے درمیان ایک ایسا بندھن کہلاتی ہے جسے کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اس رشتے کی اہمیت سے کسی کو انکار کی مجال نہیں اس لئے کہ فنکار یا صاحب قلم نہ صرف اپنے عہد میں اپنے آپ کو منوانے کی فطری خواہش کی بدولت تخلیقی عمل کی جانکاہی سے گزرتا ہے بلکہ آنے والے زمانوں میں اپنے ہونے کا ثبوت فراہم کرنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تخلیق کے مظاہرات خلا میں وجود نہیں پاتے بلکہ اپنے ماحول کے اجتماعی شعور اور زبان وبیان کے عصری معیار کی آگہی سے تخلیقی صلاحیت پروان چڑھتی ہے، کسی فن پارے کو اس کے عہد سے جدا کرکے دیکھنا اور کوئی رائے قائم کرنا ممکن نہیں لہٰذا یہ بات محتاج شرح نہیں کہ فنکار اور اس کا معاشرتی پس منظر ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اور اسی طرح فن پارہ ہیئت اور فکری مواد دونوں کے حسین امتزاج سے عبارت ہے۔

اردو شاعری میں مروجہ اصناف کے عروج وزوال کی دلچسپ داستان کا مطالعہ ہمیں ان حقائق سے باخبر کرتا ہے۔ جو کسی صنفِ سخن کی مقبولیت کا سبب بنے یا اس کے برعکس کسی مخصوص صنف سے بے اعتنائی پر منتج ہوئے، مثلاً قصیدہ شخصی حکومت کے عہد میں پروان چڑھا اور نامور شعراء نے بادشاہوں، رئیسوں اور نوابوں کے بارے میں زمین آسمان کے قلابے ملائے آج یہ باتیں تاریخ ادب کا حصہ تو کہلاتی ہیں لیکن قصیدے کی بازیافت اور اس صنفِ شاعری کو جمہوری معاشرے کی فضا میں زندہ کرنا مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح ہمارے شعراء نے بعض درآمد شدہ اصناف کو آزمایا ایک حد تک کامیاب تجربے

ہوئے لیکن درآمد کی ہوئی اجنبی اصناف کو روایت پسند طبائع نے دور سے سلام کیا البتہ نوجوان تعلیم یافتہ اور روشن خیال شاعروں نے رواج دینے کی مقدور بھر کوشش کی جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے لیکن برصغیر ہند و پاک میں اسلاف کے آزمودہ شعری سانچے آج بھی احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں خصوصاً معروضی اندازِ اظہار کے لئے مسدس سے بہتر کوئی اور صنف سخن اب تک رواج نہ پا سکی اسی طرح جیسے داخلی کیفیت کے اظہار میں غزل سے بہتر کوئی اور صنفِ سخن وجود نہ پا سکی۔

مسدس کی ہیئت اور اس سے پیدا ہونے والی فضا ایک ایسے کینوس کے مشابہ نظر آتی ہے جس سے جزئیات کے علاوہ وہ سب کچھ ہوتا ہے جسے ظاہر کی آنکھ سے زیادہ باطن کی آنکھ دیکھتی ہے جس میں جزو سے کل اور کل سے جزو کی تمام معجز نمائیاں صاف، روشن اور متحرک ہو کر قاری کو مبہوت کر دیتی ہیں خواجہ رفیع سودا کی ایجاد پسند طبیعت نے رثائی ادب پہ جو احسان کیا اور جس طرح تخلیقی عمل کو مسدس کی ہیئت میں ڈھالنے کا تجربہ کیا اس کی مثال کسی دوسری زبان میں مشکل سے ملے گی، اگر سودا موجودہ ہیئت اختیار نہ کرتے تو مستقبل کے عظیم مرثیہ نگار بھی گردِ کارواں ہو جاتے اور اسی طرح مرثیے کے حوالے سے اُردو شاعری کو جو عزت ملی اس کا تصور بھی محال تھا خصوصاً رزمیہ عناصر، فطری منظر نگاری احساسات کی بوقلمونیاں، اعلیٰ اخلاقی قدروں کی زندہ اور محکم امثال ناپید ہوتیں مگر ایسا بھی ہوا کہ مرثیے کا ارتقا اور مرثیے پر نقد و نظر کا سلسلہ اس صنف کے فروغ کا باعث بنا اور مولانا شبلی نعمانی جیسے معتبر نقاد نے موازنۂ انیس و دبیر سے ایسی بحث کا آغاز کیا جس کی بدولت صنف مرثیہ اُردو ادب کے قاری کا مرکزِ نظر بن گئی۔

مرثیہ نگاری ایک ایسی تخلیقی کاوش ہے جس میں جہد مسلسل اور کمال صبر کے بغیر کامیابی محال ہے عہد موجود میں جب کہ اکثر اہل قلم عرق ریزی اور دیدہ وری سے کہیں زیادہ تعلقات بڑھانے کا ہنر آزماتے ہیں اور وہ عہد قصیدہ تمام ہونے کے باوصف "قصیدہ خوانی" کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، ایسے عہد بے تعبیر میں اگر چند اہل صفا اور صاحب قلم کربلا والوں سے دل لگالیں اور ویرانۂ ادب میں گلستاں کھلائیں تو ایک دنیا ان پر تعجب تو ضرور کرے گی

مرثیہ گوئی کتنا مشکل تخلیقی عمل ہے اس کا اندازہ مرزا غالبؔ جیسے عظیم سخنور سے پوچھیے جس نے یہ کہا کہ مرثیہ تخلیق کرنا انیسؔ ہی کا حصہ ہے غالبؔ نے جو کچھ کہا اس نے مرثیہ کہنے کی ناکام کوشش یا ناتمام کاوشں کے نتیجے میں کہا گویا یہ اعتراف ادبی تاریخ کا حصہ بن گیا کہ مرثیہ کہنا تائیدِ ایزدی کے بغیر ممکن نہیں، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ صنف مرثیہ میں ایسی کیا بات ہے کہ بڑے سے بڑا کشادہ نظر شاعر بھی مرثیہ نگاری کی عظمتِ فن کا معترف نہیں اس کا آسان اور سادہ جواب یہ ہے کہ باغ رسالت کی ثنا خوانی کرنے کا حوصلہ مشکل سے پیدا ہوتا ہے، مرثیہ کہنے والا اپنے تشخص میں انیسؔ کے دبستان سے وابستہ ہو کر اپنے عہد کے شہرت پسند قلم کاروں کی صف سے نکل جاتا ہے، یہی کچھ شاعرِ حُسینیت قیصر بارہوی کے ساتھ ہوا کہ وہ قادر مرثیہ نگار ہونے کے باوجود خود بھی میکدۂ ادب سے ایک فاصلے پر رہنے لگے اس لئے کہ میاں ان کا مقام سمجھنے والا اپنی ذات کے نشے میں گم ہے، بھلا ایسی محفل میں قیصر جیسے ذی شعور کا دل کیسے لگے سہ

ممکن نہیں کہ اب کسی محفل میں دل لگے
دل میں بسا لئے ہیں شہیدوں کے تذکرے

حالانکہ ایک زمانہ تھا کہ شاعرِ حُسینیت کا خطاب پانے سے پہلے وہ ہم عصر شعرا کی صف میں ممتاز اور جدید اسلوب کے حوالے سے منفرد مقام پا چکے تھے، ان کے حلقۂ احباب میں احمد ندیم قاسمی شکیب جلالی، مصطفےٰ زیدی، مرتضیٰ برلاس اور بہت سے دوسرے نامور شعرا کا نام آتا ہے۔

قیصر بارہوی نے مرثیہ گوئی میں اپنے لئے جس مقام کی خواہش کا اظہار کیا وہ انہیں بہت پہلے حاصل ہو چکا ہے، ان کے عظیم مرثیے قریباً چودہ برس پیشتر شائع ہوئے تو ادبی اور علمی حلقوں میں جدید مرثیے کا تعارف ہوا اور ناقدین کو اعتبار آیا کہ مرثیہ آج بھی زندہ ہے، مرثیے کو زندگی عطا کرنے میں جس مثالی کردار اور صبر و ضبط کی ضرورت پیش آتی ہے اسے وہی بہتر جانتے ہیں جو اپنا سب کچھ قربان کر کے اس طرف آتے ہیں، قیصر بارہوی نے اپنی پوری شخصیت کی توانائیاں صرف کر کے مرثیے کی آبرو میں اضافہ کیا یہ جاں گسل اندازِ عمل بھی ان کے حصے میں آیا کہ اختیار رکھنے کے باوجود دوسرے اصناف نظم کو ایک روزہ دار کی طرح

کمالِ صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے بر تنا چھوڑ دیا اور مرثیے کا مقدر سنوار نے کی خاطر اسی اندازِ گل افشانی پر ناز کیا ہے

فن کی دنیا ہے فقط مرثیہ گوئی کا شرف
لفظ ہیں گوہر نایاب تخیل ہے صدف

کعبۂ دل میں بچھاتا ہوں جو ایمان کی صف
ماتمی آنکھ لٹا دیتی ہے کچھ دُرِ نجف

درد کے آئینے کاغذ پہ بکھر جاتے ہیں
حرف زنجیر کی مانند نظر آتے ہیں

وہ اہلِ دنیا سے کسی تمتع کی آرزو نہیں کرتے بلکہ بوذری فقر کو اپنا لازوال سرمایہ تصور کرتے ہیں۔ وہ کسی صاحب ثروت کے حضور جانا اپنی شانِ استغنا کے خلاف سمجھتے ہیں ان کی نگاہ میں صاحب کردار کا دل آئینے کی طرح صاف ہونا چاہیئے جس پر گرد ملال کبھی نہ آنے پائے۔

جو لوگ دل کے صاف ہیں سیرت میں پاک ہیں
شاہوں کے تاج ان کی نگاہوں میں خاک ہیں

قیصر بارہوی کے منفرد مرثیے محض نام کے اعتبار سے منفرد نہیں بلکہ ان مرثیوں کی انفرادیت عنوان سے نفسِ مضمون تک اور اندازِ اظہار سے علائم تک ہر جگہ موجود ہے، دوسرے ان تمام مرثیوں میں قیصر بارہوی کا منفرد لہجہ ہر مصرعے میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ آپ ان کی پہچان میں کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتے، اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ آپ حواسِ کے ذریعے خوشبو، رنگ اور ذائقہ میں تمیز کر لیتے ہیں، یا پسِ پردہ آواز کو سن کر شخصیت کا نام بتا سکتے ہیں اسی طرح قیصر کا اسلوب ان کی پہچان کا معتبر ذریعہ ہے اور ان کا منفرد لہجہ انہیں دوسرے شاعروں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ ہے

الفتِ آلِ محمدؐ کے سمندر کی قسم
ذرّتِ نظم سفینہ ہے تو موجیں ہیں قلم

گردِ پاپوش سے زائد نہیں دنیا کے ستم
دستِ کردار میں ہے نادِ علی کا پرچم

ناز کرتا ہوں اس اندازِ گل افشانی پر
فخر ہے باغِ رسالت کی ثنا خوانی پر

قیصر بارہوی نے عصری مسائل کو سامنے رکھ کر مرثیہ کہنے کی طرح ڈالی ہے، یہ ایسی کھلی حقیقت ہے جسے ان کے ہر مرثیے کے تار و پود میں خونِ گرم کی طرح محسوس کیا جاسکتا

ہے۔ وہ آج کے مسائل کا حوالہ اور عصری جبریت کی نشاندہی اور اس سے پیدا ہونے والی قباحتوں کا بطورِ خاص اپنے مرثیوں میں اس طرح تجزیہ کرتے ہیں کہ وہ قاری یا سامع کو اپنا فکری ہمسفر بنالیتے ہیں اور حالات کے آئینے میں کچھ ایسے چہرے بھی دکھا دیتے ہیں جو نقدِ زر کی خاطر اصولوں کا سودا کرتے ہوئے ذرا شرمسار نہیں ہوتے ؎

ایسے بھی واقعات ہیں وابستۂ نظر — دنیا نے اہلِ علم خریدے بہ نقدِ زر
دل نے ہزار منع کیا ہاتھ جوڑ کر — لیکن کہاں ہوس کے غلاموں پہ کچھ اثر
جہلِ عمل سے دولتِ دنیا پہ مر گئے — دل بیچتے ہی قوم کے دل سے اتر گئے

گویا قیصر بارہوی کی نظر میں جو نقدِ زر سے فکر کا سودا کرنے والے وہ بے ضمیر اور کم نظر لوگ ہیں جو انسانی تاریخ کے ہر مرحلے میں اپنی بدبختی اور بدصورتی کے باعث مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں لیکن ان کے مقابل وہ روشن ضمیر اور خوش تدبیر افرادِ انسانی ہیں جن کی پیشانیوں کا نور ان کے سجدوں کی ترجمانی کرتا دکھائی دیتا ہے یہی وہ خوش انجام لوگ ہیں جو نفرتوں کا زور فرطِ محبت سے توڑتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو کمالِ عجز اور جہدِ مسلسل سے رخِ ہستی کو نئی آب و تاب دیتے ہیں ؎

فطرت ہے اپنے نفس کی اصلاح کا شعور — اصلاحِ نفس قاطعِ ظلمت چراغِ طور
فطرت پہ ہو یقین تو ممکن نہیں غرور — یعنی کمالِ عجز میں ہے بندگی کا نور
حکمت سے دور آئینۂ آب و گِل نہیں — جس میں خدا کی یاد نہیں ہے وہ دل نہیں

ایک ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں لانے اور انسانی زندگی کے احترام کے تصور کو اجاگر کرنے میں کربلا والوں نے جو کردار ادا کیا ہے دنیا کی کوئی طاقت نظروں سے اوجھل نہ کر سکی اس لئے کہ اسلام اور کربلا حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں۔ اگر اسلام کی حقانیت کا چراغ روشن ہے تو گویا کربلا میں جلنے والا یہ وہی چراغِ صداقت ہے جسے وقت کی آندھیاں آج تک نہ بجھا سکیں اسلام اور کربلا کو ایک ابدی

حقیقت سمجھنے والے دراصل ایک ہی نظام کی بات کرتے ہیں قیصر بارہوی نے مظلومیت اور اسلام کے عنوان سے جو مرثیہ کہا وہ اسی ابدی حقیقت کا اظہار ہے۔

خونِ جگر سے فکر کا چہرہ سجائیے ۔۔۔ دل کا لہو چراغِ نظر میں جلائیے
کردار میں خلوص کی گرمی بسائیے ۔۔۔ دنیا جہاں رلائے وہاں مسکرائیے
دے کر دعائیں زخم ستم کے جواب میں ۔۔۔ پھر دیکھیے سکون رگِ اضطراب میں

قیصر بارہوی کے "منفرد مرثیے" پڑھتے ہوئے ہم عہد موجود سے کربلا کی تاریخ کو نہ صرف مربوط اور متصل پاتے ہیں بلکہ یہ احساس بھی ہمارے پاؤں کی زنجیر بن جاتا ہے کہ آج کے نام نہاد متمدن معاشرے میں وحشت و بربریت کا مظاہرہ اور خون کی ارزانی اسی سلسلے کی کڑی معلوم ہوتی ہے جسے صحرائے کربلا میں غارت گروں نے حرص و ہوس کی خاطر خانوادۂ رسالت کا شیرازہ ہستی بکھیرنے میں روا رکھا، یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہی درندہ صفت شقی القلب اور نقاب پوش گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہمارے خوبصورت شہروں کے امن پسند اور بے گناہ لوگوں کا دل دہلاتے، گھروں کو آگ لگانے اور خون بہانے کے لئے نکل آئے ہیں —— یہ قیصر بارہوی کے فن کا کمال ہے کہ دو پھیلے ہوئے زمانوں کو یک جا کر دیا گیا ہے ؎

سینے میں جس کے دل ہے وہ انصاف سے کہے ۔۔۔ گزرے گی کیا بشر پہ بھرا گھر جلے
مقدور ہو تو چھین لوں رفتار وقت سے ۔۔۔ معصوم اشک تھک گئے ظالم نہیں تھکے
غارت گروں کا شعلۂ وحشت بجھا نہیں ۔۔۔ صدیاں لہو میں ڈوب گئیں دل بھرا نہیں

بہر حال ظلم و شقاوت کے سامنے استقامت، پامردی اور صبر و ضبط سے کام لینے والے ہمیشہ فتح مند ہوتے ہیں، ان کا پیمانۂ صبر اضطراری حالت میں بھی نہیں چھلکتا، ان کی نگاہیں اپنے مقصد پر جمی رہتی ہیں اور شعور وفا سے کام لیتے ہوئے وہ اولی الامر کی اطاعت کو جزوِ ایمان تصور کرتے ہیں۔ قیصر بارہوی

وہ بڑا آدمیت کی قامت کردار کے حوالے سے دیکھتے ہیں اور ایسے انسان کو اپنا آئیڈیل بنا کر پیش کرتے ہیں تاکہ معاشرے میں وہ اقدار پروان چڑھیں جن سے اس معاشرے کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔ ؎

تمام زورِ شجاعت ہو اور ضبط کرے
اک انقلاب کی طاقت ہو اور ضبط کرے

تمام پیکرِ ہمت ہو اور ضبط کرے
رگوں میں حیدری غیرت ہو اور ضبط کرے

یہی ادا تو شعورِ وفا کی آیت ہے
اسی کا نام اولی الامر کی اطاعت ہے

ایسا شخص بغیر تیغ فوجوں سے جنگ کر سکتا ہے اور لوہے کی دیواروں کو توڑتا ہوا آگے بڑھ سکتا ہے — اسی شخص کو زبانِ وفا میں عباسؑ جری کہتے ہیں، یہی وہ شخص ہے جس کے سامنے کوفہ و شام کے لشکر بادلوں کی طرح چھٹ گئے تھے۔ ؎

گرج رہے تھے جو دستے وہ دست و پا سے گئے
بنے ہوئے تھے جو دیوار اک ہوا سے گئے

جو انتہا کے جری تھے وہ ابتدا سے گئے
صدائے غیرت و کردار تھی بلا سے گئے

اضافہ ہو گیا تاریخ کے حوالوں میں
ملے فرار کے نقشے بڑے رسالوں میں

علی کے شیر نے ساحل پہ نصب کر کے علم
بھرا جو مشک میں پانی بڑھی حرارتِ غم

اٹھا کے چلو میں اتنا کہا بدیدۂ نم
تجھے نہ منہ سے لگاؤں گا میں خدا کی قسم

ترے وقار کا اب کیا سوال رہتا ہے
حسین پیاسے ہیں اور تو زمیں پہ بہتا ہے

قیصر بارہوی کلاسیکل مرثیے کی جزئیات سے پہلو بچا کر اسلوبِ خاص سے کام لینے کا ہنر اختیار کرتے ہیں، وہ اس مرحلے میں گھوڑے اور تلوار کی تعریف سے کام لینا اسلاف کا ایسا کارنامہ تصور کرتے ہیں کہ اب اس میں کسی اضافے یا ترمیم کی چنداں حاجت نہیں اس لئے وہ ایجاز و اختصار کا ایسا قرینہ اپنا لیتے ہیں کہ آج کا قاری اپنی مصروف زندگی سے اتنا وقت ضرور نکال سکتا ہے کہ وہ مرثیے کے انجام تک پہنچ سکے

یہی وجہ ہے کہ اس مرحلے میں آج کا مرثیہ نگار محتاط رویہ اختیار کرتا ہے کہ تاریخی حقائق کے ساتھ ساتھ منظر پر مکمل گرفت رہے اور جو بات کہی جائے وہ کسی صورت حقائق کے منافی نہ ہو اور پڑھنے یا سُننے والا منظر کی جزئیات کو ذہنِ رسا اور چشمِ تصور کے ملاپ سے دیکھتا چلا جائے۔ حضرت عباسؑ کا دریا سے مشکیزہ بھر کر باہر آنا اور اہل حرم تک پانی پہنچانے کی فکر میں غلطاں ہونا ایسا ہی ایک مرحلہ ہے جسے قیصر بارہوی کمالِ فنکاری سے پیش کرتے ہیں ؎

کبھی یہ فکر لگے مشک پر نہ تیرِ ستم
کبھی خیال سرِ خاک گر نہ جائے علم
تمام زخموں پہ لشکر نے رکھ دیا مرہم
نتیجہ ایسی حفاظت کا کس طرح ہو رقم
مگر علم کی طرح مشک کو سنبھالے تھے
کمر پہ برچھیاں اور پہلوؤں پہ بھالے تھے

اسی طرح شہادت سے ذرا قبل گھوڑے کی زین سے فرشِ زمین کی طرف امام پاک کا مائل ہونا کتنا نازک اور کیسا روح فرسا منظر ہے جسے قیصر بارہوی اپنے منفرد اور جدید انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں۔

رستے میں اک مقام تھا جب پر رکے حسینؑ
کیسے کہوں فرس سے زمیں پر گرے حسینؑ
مسند پہ ناوکوں کی تڑپتے رہے حسینؑ
تاریخ کہہ رہی ہے معلق ہوئے حسینؑ
قاتل کے پاؤں سینۂ قرآں پہ آگئے
اندازِ ظلم دونوں جہاں کو رلا گئے

قیصر بارہوی کے مرثیت کا عنصر دوسرے جدید مرثیہ گو شاعروں کی نسبت کہیں زیادہ ہے، وہ اپنے مخصوص انداز میں روایتی بین سے مختلف بھرپور شعری ابلاغ اور مکمل ترسیلِ درد کی فضا میں سامانِ گریہ بہم کرتے ہوئے خصوصاً مرثیہ پڑھتے ہوئے مجلس میں ماتمی آواز پیدا کرنا، رونا، رلانا اور لہجے کے اتار چڑھاؤ سے پورے ماحول کو غمکدہ بنا دینا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں بحیثیت مرثیہ خواں

مجمعِ خاص و عام کی اجتماعی نفسیات پر گہری نظر رکھتے ہیں، ان کی منفرد خوانندگی تاریخ مرثیہ خوانی میں اپنا جواب آپ ہے وہ لفظوں کو زندہ حقیقت کے روپ میں دیکھتے ہیں اور ہر لفظ کی ادائیگی میں ان کا پوشیدہ اضطراب سامنے آجاتا ہے، جہانِ احساس کی ہر کروٹ ان کے لفظ لفظ میں جگہ پاتی ہے، وہ ذہن میں موجود ہر اس فکر کو لبادۂ حرف پہنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جسے صفحۂ قرطاس پر جگمگا شہ لاتے کے مترادف ہے، ان کے مصرعے مکمل اکائیاں بھی ہیں اور کثرت کا عکسِ جمیل بھی ــــ ان کے اشعار میں حقائق اس طرح آشکار ہیں کہ جیسے اُبھرتے ہوئے سورج کی روشنی جو کہ پردۂ چشم نیند کے آخری اثر پر اپنی کمند پھینکتی ہے اور ہر منظر آئینے کی طرح شفاف ہوجاتا ہے۔ قیصر بارہوی کے بعض مصرعے مکمل ابلاغِ حقیقت کا درجہ رکھتے ہیں کہ جس کے بعد کچھ اور کہنے یا اس حقیقت کی شرح کرنے کی حاجت نہیں رہتی جیسے ؎

کوئی بھی بے نیاز نہیں ماسوائے رب
مزاج وقت سمجھنا بڑی بصیرت ہے
خدا کے ساتھ مسلماں کی گفتگو ہے نماز
قیام امن سکھاتا ہے آدمی کو ادب
کہاں سیاستِ دنیا کہاں خدا کا نظام
انسان رنگ و نسل میں تقسیم ہوگیا
عاشور کے ورق پہ عمل کا نصاب ہے
مظلومیت نے چاند اگائے ہیں خاک سے
زمانہ بدلے شریعت بدل نہیں سکتی

قاری کو ہر شعری بند میں ایسی بصیرت افروز حقیقت سے واسطہ پڑتا ہے کہ وہ مرثیے کے مجموعی تاثر کے ساتھ ساتھ وحدتِ تاثر کی گرفت میں آجاتا ہے۔

بہر حال ان تمام مرثیوں میں قیصر بارہوی نے آئینہ خانے سجا دیئے ہیں کہ ہر آئینہ خانہ جدا بھی ہے اور دوسرے آئینہ خانے سے منسلک بھی ہے ہر آئینے میں جتنے چہرے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ تمام چہرے ایک ہی چہرہ ہے جسے بہت سے نام دے کر ایک ہی نام دیا جا سکتا ہے، تمام حقیقتیں ایک ہی حقیقت کا آئینہ ہیں۔ سب سے بڑی حقیقت جسے عرفان و ایقان کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے، کبھی اس میں وہ چہرہ دکھائی دیتا ہے جسے وجہ اللہ کا نام زیبا ہے اور کبھی انسان خود شناسی کے مرحلے میں اپنا ہی چہرہ دیکھتا ہے کہ یہ چہرہ بھی اسی بے چہرہ ہستی کا چہرہ ہے۔ اور کبھی مرثیے کا چہرہ ہمیں ایک ایسی حقیقت کا ایقان عطا کرتا ہے کہ ہماری ہستی اس چہرے کا عکس بن کر ہمیں ہماری حقیقت سے آگاہ کرتی ہے۔ مرثیے کا چہرہ تیار کرنا بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے، لیکن قیصر بارہوی نے مرثیے کے روایتی چہرے سے مختلف چہرہ تیار کیا جس کے خدوخال میں ان کی منفرد سوچ کا ایسا بے مثال مرقع دکھائی دیتا ہے کہ صحن تخلیق میں ان کا مرثیہ مظلومیت کی فتح کا نعارہ اور رفعتِ کربلا کا مینارہ بن کر آنے والی صدیوں میں نشانِ منزل دکھاتا رہے گا، ان کا یہ دعویٰ غالب کی صدائے بازگشت تو ضرور ہے کہ عالم غیب سے ملتے ہیں مضامین سخن۔ لیکن مرثیے کا مزاج غزل سے مختلف ہونے کے باعث قیصر بارہوی کو تنگ نائے سے محفوظ و مامون رکھتا ہے اور وہ علم غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے عنوان سے جو مرثیہ پیش کرتے ہیں وہ ہر اعتبار سے مکمل ہے۔

نعمتِ شاعری کردار کی پائندہ بہار — اسی نعمت سے ہے فطرت کے گلوں کی مہکار
لفظ باندھے ہیں تخیل کی سنہری دستار — جس طرح چاند کی آنکھوں میں ہو سورج کا خمار
شوقِ مدحت جو خیالات کے در کھولتا ہے — مرثیہ بلبلِ سدرہ کی طرح بولتا ہے
رودِ کوثر کی طرح میری طبیعت کا سروش — زندگی ناز کرے بحرِ مودت میں وہ جوش
مری وارفتگی مشہور ہے بیمانۂ ہوش — مجھے کہتے ہیں حسینؑ ابن علیؑ کا مے نوش
پر وہ اشک جو پلکوں پہ ٹھہر جاتا ہے — سامنے بولتا قرآن نظر آتا ہے

جناب قیصر بارہوی نے تخلیق مرثیہ میں جہاں نت نئے مضامین کا اضافہ کیا نئے افق زاروں کی سیر کی، نئی دنیاؤں کا سفر کیا اسی طرح ان کی نئی اور خوبصورت تراکیب کی جلوہ سامانی بھی ہوئی۔ بڑے شاعر کی پہچان یہی ہے کہ وہ لفظ اور معنی کے باہمی رشتوں کی روایت کو جہاں لا کے آگے بڑھاتا ہے وہاں لفظ میں نئے معانی پیدا کرتا ہے اور نئی تراکیب سے نئے مطالب کی جستجو کرتا ہے۔ قیصر بارہوی نے یوں تو ان گنت نئی تراکیب ایجاد کیں مگر نمونے کے طور پر چادرِ ارض، جلوہ گہِ فخر، فکر کی بارہ دری مودّت کی سنہری فصیلیں، ماتمی آنکھ، بصیرت کے سرخ ہونٹ صحنِ مشرقین جلوہ تمکینِ سخن، گلشنِ تطہیر، جنتِ احساس جیسی نئی تراکیب سے مرثیہ نگاری میں کام لیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مرثیہ قافلۂ حال کا مستقبل ہے اور ”منفرد مرثیے“ کے شاعر کا یہ تیسرا مجموعہ ہے جس میں بارہ مرثیے جمع کئے گئے ہیں۔ عظیم مرثیے کے بعد یہ مجموعہ اس اعتبار سے منفرد ہے کہ حلقۂ شعرائے اہل بیت نے ان کے پچاس برس پر پھیلے ہوئے تخلیقی سفر اور ستائیس ہزار سے زائد اشعار مکمل ہونے پر گولڈن جوبلی اور ادبی ریفرنس کا اہتمام کیا ہے جناب قیصر نے اس طویل عرصہ میں ایک سو دو مراثی تخلیق کئے حلقۂ شعرائے اہل بیت کے صدر جناب علی محتشم نے بجا طور پر لکھا ہے کہ ان کے مرثیوں کے موضوعات اور شخصیات میں کلاسیکل مرثیوں کے علاوہ نئی جہتیں اور نئے امکانات سامنے آئے ہیں۔ جناب قیصر بارہوی نے تمام اصناف نظم میں اعلیٰ معیار کو اپنی تخلیقی قوت کا محور بنایا ہے ان کا مخصوص لہجہ ان کی پہچان بن گیا ہے اس طرح وہ مجالس اور محافل سے کہیں زیادہ قومی سطح کے عظیم شاعر بن کر اُبھرے خصوصاً محرم الحرام میں ٹیلی وژن اور ریڈیو پر ان کے کلام کی پذیرائی سے علمی و ادبی حلقوں میں وہ موجودہ عہد کی مرثیہ نگاری کا ایک مستند اور معتبر حوالہ بن گئے ہیں شاعر حسینیت جناب قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری سے متعلق پاکستان کے طول و عرض سے بے شمار تبصرے موصول ہو رہے ہیں جنہیں بیان

پیش کرنا ممکن نہیں مگر یہ بات باعث اطمینان ہے کہ ہماری قوم زندہ افراد کی قدر کرنا جانتی ہے ۔ یہ روایت میر انیسؔ کے زمانے سے چلی آرہی ہے کہ ہماری قوم صاحبانِ فکر ونظر کی گرویدہ ہے، ادب پروری کا ذوق ہمارے خون میں گردش کر رہا ہے منبر کی رونق آج بھی وہی ہے جو پہلے تھی بلکہ پہلے سے اضافہ ہوا ہے بارگاہِ نبوت وامامت میں ہدیۂ نعت وسلام پیش کرنے کا سلیقہ ہماری مودّت کے معیار کا پتہ دیتا ہے ۔ یہاں یہ بات کرنا ضروری ہے کہ مرثیہ کہنا جہادِ اکبر سے کم نہیں ۔ ؎

اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

اس لئے ہم پر یہ فرض ہے کہ جو مرثیہ تخلیق کرنے کا عزم رکھتے ہیں ان کی اس خدمت سے ہر لحظہ باخبر رہیں، یہ غیر معمولی تخلیقی جوہر اس صورت میں برقرار اور فروغ پذیر رہ سکتا ہے کہ ہماری قوم پوری سنجیدگی سے مرثیہ نگار شاعر کو میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کی روایت کا امین خیال کرتے ہوئے اس کے ایثار مسلسل کو نظر میں رکھے ۔ جناب ہاشم رضا نے اراکین حلقۂ شعرائے اہلبیت پاکستان کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "انہوں نے جناب قیصر بارہوی کی گولڈن جوبلی منانے کا فیصلہ کیا ہے یہ جناب قیصر بارہوی کی عظیم خدمات کا ایک چھوٹا سا صلہ ہے، جن حضرات کی قدر ان کی زندگی میں ہوتی ہے وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں" اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خوش نصیب ہیں، قیصر بارہوی کا یہ دعویٰ بھی حقیقت پر مبنی ہے کہ ؎

جو منفرد ہے وہ طرزِ کلام لایا ہوں\
اک آفتاب اجالوں کے نام لایا ہوں

آشوبِ عصر

ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے
بجلیاں رنگ بدلتی ہیں خدا خیر کرے

گردشیں اور مچلتی ہیں خدا خیر کرے
بستیاں آگ اگلتی ہیں خدا خیر کرے

محوِ حیرت ہوں کہاں بول رہی ہے دُنیا
خونِ انساں سے دھواں تول رہی ہے دُنیا

عقل شعلوں میں مسلسل ہے خدا خیر کرے
ہر قدم خوف کی دلدل ہے خدا خیر کرے

کہیں زنداں کہیں مقتل ہے خدا خیر کرے
صبح میں شام کی ہلچل ہے خدا خیر کرے

مرگِ مخلوق تماشا ہے تماشائی ہیں
خون سورج کا پئیں اب بھی وہ سودائی ہیں

سرخیاں چہرۂ اخبار سے دیتی ہیں خبر
کھیل ہے آتش و بارود کا اب شام و سحر

چشمِ احساس ہے اور وقت کا خونی منظر
پھول بکھرے ہیں کہ ٹکڑے ہوا آدم کا جگر

کوئی دیکھے ستم و جور کے نظاروں میں
ننھی لاشیں بھی نظر آتی ہیں انگاروں میں

اُف یہ آباد اُجالوں میں قیامت کا دھواں
خونِ انساں سے بنائی ہوئی تصویرِ فغاں
جانے کس چیز کا دل رکھتے ہیں ظالم انساں
وہ گریں خاک پہ بہنیں وہ تڑپنے لگی ماں
لاش اُٹھائے جو کہیں درد کے مارے نکلے
بولیں آنکھیں وہ یتیمی کے ستارے نکلے

یہ خریدے ہوئے ہاتھوں میں چمکتے خنجر
جسم گلیوں میں نظر آتے ہیں چوراہوں پہ سر
کوئی اوڑھے ہوئے سوتا ہے لہو کی چادر
بال کھولے کہیں روتی ہے کسی کی دختر
پاسِ مذہب نہیں غیرت نہیں ایمان نہیں
ایسا لگتا ہے بھرے شہر میں انسان نہیں

فکر کے تیز قدم عینِ ستائش ہیں مگر
کس لئے خونِ تمدن سے بھری راہگزر
جنگ اور اسلحہ سازی پہ تو ہر وقت نظر
کوئی سنتا نہیں کیا کہتے ہیں اُجڑے ہوئے گھر
شہر کیوں ہو گئے صحرا کبھی سوچا ہی نہیں
کتنی لاشوں سے گندھا آٹے یہ دیکھا ہی نہیں

اِک طرف حرمتِ انساں پہ ہزاروں مضموں
اِک طرف زہرِ سیاست سے ہر انسان کا خوں
اِک طرف چاند ستاروں پہ حکومت کا جنوں
اک طرف مقتلِ کردار کی تدبیرِ زبوں
لبِ خنداں سے شرافت کا لہو چاٹتے ہیں
کیا ادائیں ہیں گلے مل کے گلا کاٹتے ہیں

کتنے وابستۂ دنیا ہیں یہ برگشتۂ دیں　　صرف ہستی پہ یقیں خالقِ ہستی پہ نہیں
اپنی چوکھٹ پہ جھکاتے ہیں زمانے کی جبیں　　اِن کی جاگیر ہو جیسے یہ فلک اور یہ زمیں
کیا سمجھنا تھا اِنہیں اور یہ کیا سمجھے ہیں
آدمی اپنی فراست کو خدا سمجھے ہیں

امن کے نام پہ دنیا میں اِدارے ہیں بہت　　بے سہاروں کو جو لوٹیں وہ سہارے ہیں بہت
ربط دریا سے نہیں اور کنارے ہیں بہت　　جو سُلاتے ہیں مقدّر وہ ستارے ہیں بہت
کیا کہے روشنی اس شیوۂ خدمت کے لئے
آندھیاں لائے چراغوں کی حفاظت کے لئے

کیا کہوں عالمِ احساس کی رُسوائی پر　　جھوٹ کا رنگ چڑھایا گیا سچائی پر
کیوں نہ حیرت ہو اِس اندازِ مسیحائی پر　　جان دیتے ہیں اندھیروں کی توانائی پر
شوقِ ایجاد ہے انساں کی ہلاکت کے لئے
دولتِ علم لٹاتے ہیں جہالت کے لئے

بحرِ ایجاد میں اس درجہ بڑھی طغیانی　　جس کی ہیبت سے سمندر ہوئے پانی پانی
موج در موج یہ نقشِ قدمِ انسانی　　ایسی دانائی سے کیوں پھوٹ پڑی نادانی
خوب ایوانِ خیالات کو آباد کیا
ساری دنیا کو ڈبونے کا سبق یاد کیا

قلزمِ حال سے کہتے ہیں یہ ماضی کے نشاں　　زندگی بھول گئی قہرِ خدا کا طوفاں
اُف یہ تفریطِ یقیں ہائے یہ افراطِ گماں　　شہرِ پیکار جو اس وقت ہیں پانی پہ رواں
لوٹنے بحرِ بنوّت کے خزینے جاتے
کشتیِ نوح ڈبونے یہ سفینے جاتے

اب کہاں جلتے ہیں انصاف وعدالت کے چراغ　　اب تو فاسد کی حمایت میں ہے دُنیا کا دماغ
دیکھ لیں اہلِ نظر چہرۂ ماحول کے داغ　　کس طرح جلتا ہے تقدیسِ خیالات کا باغ
فکر کو تابعِ ایماں نہیں رہنے دیتے
لوگ ظالم کو بھی ظالم نہیں کہنے دیتے

سوچیئے آج ہمیں خون رُلایا کس نے　　کون صیاد ہے اور جال بچھایا کس نے
نقشۂ وحدتِ افکار مٹایا کس نے　　خون کعبے میں بہا ہے تو بہایا کس نے
کارفرما ہے کوئی بانیٔ شر کون کہے
سامنے ہے رُخِ بدنام مگر کون کہے

کس جفا جو کی یہ ترغیب ہے کچھ غور کریں　　کیوں قیامت سی یہ ترتیب ہے کچھ غور کریں
ہاتھ کس کا پسِ تخریب ہے کچھ غور کریں　　کون غارت گرِ تہذیب ہے کچھ غور کریں
جو بھی دُنیا میں نمائندۂ ظلمت ہو گا
ہر زمانے کے لئے قابلِ نفرت ہو گا

قوتِ جنگ کو سمجھے ہیں تمدن کا نکھار — کیا یہ اندازِ نظر ہے کسی مذہب کا وقار
قابلِ فخر نہیں دولت و نخوت کا خمار — بات جب ہے کہ مسخر ہو خلیجِ کردار
ورنہ بجز نذرِ عدم اپنی ہی صورت ہوگی
سر سے اونچا ہوا پانی تو قیامت ہوگی

وہ جو اپنائے ہیں نخوت کا بہیمی برتاؤ — وہ جو رکھتے ہیں مزاجوں میں تشدد کا چاؤ
وہ جو سینوں میں لبالب ہیں شقاوت کے الاؤ — انہیں معلوم نہیں موت کے دریا کا بہاؤ
فاصلہ کوئی بھی ہو پل میں سمٹ سکتا ہے
ایک سیارۂ گیتی کو الٹ سکتا ہے

کاش یہ خواب ہو شرمندۂ تعبیر کبھی — لوٹ لیں دستِ فنا دولتِ آشفتہ سری
دشمنِ خلقِ خدا ہو تو سیاست کیسی — کیا دل آویزیِ کردار ہے کردار کشی
کس طرح دامنِ الفت کی ہوا دیتے ہیں
شہد دیتے ہیں مگر زہر ملا دیتے ہیں

لفظ دلکش تو بس لفظِ تنفّر توبہ — گفتگو امن قتال اور تأثر توبہ
لہجۂ درد بھی غربت کا تمسخر توبہ — ابھی وعدہ ابھی وعدے میں تغیّر توبہ
یہ تقاضائے طبیعت کی کوئی منزل ہے
یا زمانے کے لئے فتنۂ مستقبل ہے

کیا اسے کہتے ہیں تہذیبِ نظر کی پرواز — یعنی اک ہاتھ میں تسبیح تو اک ہاتھ میں ساز
حق پہ مرنے کا یہ انداز نرالا انداز — بے گناہوں کی حمایت میں نہ اٹھے آواز
گرمیٔ لوح و قلم سرد ہوئی جاتی ہے
خونِ تاریخ سے تاریخ لکھی جاتی ہے

ختم ہو جائے اگر شوقِ اجارہ داری — پھر نہ بے چینیاں باقی نہ کوئی دشواری
صحنِ آفاق میں ہو امن کی جلوہ باری — آسمانوں سے پکارے سحرِ بیداری
سب سے مذموم رہِ فتنہ و شر چھوڑی ہے
آج انساں نے تعصب کی کمر توڑی ہے

وقت کی موج پہ دن رات ہے فطرت کی پکار — کام آئے گی نہ یہ نشۂ زر کی تلوار
کاسۂ عزم میں رکھتے ہیں جو اللہ کا پیار — وہ سمندر کو سمجھتے ہیں مسافت کا غبار
خوف رکھتے نہیں تسلیم و رضا کے بندے
بخدا موت پہ غالب ہیں خدا کے بندے

اُن کی محفل میں عبث قوتِ پرواز کی بات — جن کے ہونٹوں پہ ہو معراج کے انداز کی بات
اُن سے بیکار ہے اوہامِ جنوں ساز کی بات — جن کے ایقان میں ہو صاحبِ اعجاز کی بات
حق پرستوں کی ادا دل میں کرامات بھی ہیں
رُخ بدل دیں جو زمانے کا وہ آیات بھی ہیں

ساری دنیا سے بڑی فوج ہے اللہ کی یاد　　یہ تیقّن ہو تو کچھ بھی نہیں دنیا کا عِناد
متحد ہو کے مقابل ہوں اگر اہلِ فساد　　قوّتِ خیبر پکارے گی لعنوانِ جہاد
کوئی طوفان ہے کیا چیز تو کیا آندھی ہے
کلمۂ حق نے سلیماں کی ہوا باندھی ہے

حلقۂ شعر و ادب انجمنِ اہلِ خطاب　　سیفِ تخئیل سے اب چاہئے بھرپور جواب
پھیلتا جاتا ہے الحادِ سخن کا سیلاب　　آج ہر فکر میں درکار ہے وحدت کا نصاب
وقت کا آئینہ دُنیا کو دکھانا ہوگا
قید سے حُرمتِ انساں کو چھُڑانا ہوگا

چہرۂ وقت کے قاری ہیں وہی اہلِ قلم　　عدل و انصاف سے رکھتے ہیں جو لفظوں کا بھرم
عالمِ صبر ہو یا منظرِ بازارِ ستم　　یہ صدا گونجتی ہے سب کے لبوں پر پیہم
جب کوئی درد کی تصویر نظر آتی ہے
کربلا لوحِ تصوّر پہ اُبھر آتی ہے

آنکھوں دیکھے رُخِ حالات سے اتنا تو ہوا　　شدّتِ ظلم و ستم دیکھنے والوں نے کہا
پیروِ شمر و یزید آج بھی کرتے ہیں جفا　　بے گناہوں کا لہو آج بھی دیتا ہے صدا
روحِ احساس فقط درد کا گلدستہ ہے
آدمی وہ ہے جو مظلوم سے وابستہ ہے

لوگ سمجھے ہی نہیں کیا ہے تقاضائے شعور　　اہلِ دنیا سے ابھی دور ہے دنیائے شعور
اُن کی آنکھوں میں کہاں جلوۂ صہبائے شعور　　جو اندھیروں کو سمجھتے ہیں تجلائے شعور
داغِ ظلمت ورقِ دل سے مٹائے تو سہی
کربلا نور فشاں ہے کوئی آئے تو سہی

کربلا ہمکو سکھاتی ہے وہ تہذیبِ حیات　　جسکی تنویرِ بقا رحمتِ کونین کی ذات
ساری دنیا کے لئے امن کا قانونِ ثبات　　صرف اسلام کا پیغام ہے اسلام کی بات
کس قدر حق ہے تمدن کی ادا جانتے ہیں
یہاں انسان کو کردار سے پہچانتے ہیں

وہ مسلماں جو جھٹلاتے ہیں خدا کا پیغام　　ایک دن آئے گا دیکھیں گے وہ اپنا انجام
سوچ لیں دشمنِ اسلام کی طاقت کے غلام　　کچھ بھی ہو جائے نتیجے میں ہے فتحِ اسلام
عدل پھیلے گا دھواں ظلم پناہی ہوگی
کچھ نہ ہاتھ آئے گا جب خاک میں شاہی ہوگی

جو اُٹھائے ہیں زمانے کی اجل کا ساماں　　جن کی رفتار میں ہے موت کا خونی طوفاں
جو لئے پھرتے ہیں بے وجہ تباہی کا دھواں　　جن کا مقصود ہے بربادیٔ نسلِ انساں
اُن کے سر کرنے کی تدبیر بھی ہو سکتی ہے
کربلا ایسے جہازوں کو ڈبو سکتی ہے

مظہرِ نصر من اللہ ہے پیمانۂ صبر — جبر کے بخشے ہوئے زخم ہیں بربادیٔ جبر
بیشۂ خوف پہ حاوی ہیں مشیت کے ہنر — لکھ گیا خشک لبوں پر یہ سخن پیاس کا ابر
کام ہے جن کو تمدن کی نگہبانی سے
وہ زمانے کو بدل دیتے ہیں قربانی سے

تشنہ لب چند جیالوں سے ہوا یہ معلوم — جرأتِ حق ہے تو کچھ بھی نہیں باطل کا ہجوم
بخدا چشمِ یقیں میں وہ ریاست مذموم — جس میں اللہ کے بندے ہوں سکوں سے محروم
جس میں انسان ترس جائے عدالت کے لئے
کربلا موت ہے اُس طرزِ حکومت کے لئے

کربلا والوں نے دنیا کو یہ سمجھایا ہے — آدمی پھول ہے فطرت میں مہک لایا ہے
خار بن کر جو کوئی پھول سے ٹکرایا ہے — اک تغیر بہ تقاضائے چمن آیا ہے
ظلم کا زاویۂ فکر بدل کر بکھرا
پھول بکھرا تو سرِ خار کچل کر بکھرا

آج بھی شیشۂ خوشبو لئے پھرتی ہے صبا — جس کی مداح گلستانِ بصیرت کی ہوا
اہلِ احساس پہ یہ عقدۂ احساس کھلا — پھول کے خون سے بھی فتح کا سورج ابھرا
خار اگر زہر کی لہروں پہ بہت نازاں ہے
پھول کی خشک زباں معجزۂ قرآں ہے

مضطرب قافلۂ وقت ہے اے اہلِ نظر　　آئیے کاٹ دیں ظلمت کی طنابیں مل کر
اس سے پہلے کہ ہرا رض بپا ہو محشر　　چھین لیں پنجۂ وحشت سے تمنائے بشر
جس کی تردید ہے قرآں میں اُسے رد کردیں
ظرفِ ہستی میں محبت کے اُجالے بھر دیں

آئیے خون سے لکھی ہوئی تحریر پڑھیں　　آدمیت کا جو محور ہے وہ تدبیر پڑھیں
ہم مسلمان ہیں اسلام کی تقدیر پڑھیں　　بات بن جائے گی قربانیٔ شبیرؑ پڑھیں
زندگی روشنیٔ عزم و عمل پاتی ہے
امن کی روشنی مقتل میں نظر آتی ہے

آئیں معیار وفا کے متلاشی انساں　　کربلا رکھتی ہے معراجِ وفا کا عنواں
مشک بھر کر بھی علمدار رہا تشنہ دہاں　　پیاسے بچوں کے تصور نے کیا تھا گریاں
آج بھی رابطہ ہو مشک و علم کہتا ہے
قطرۂ اشک بڑی چیز ہے دریا کیا ہے

سیرتِ آلِ محمدؐ ہوا گر پیشِ نظر　　فخرِ کردار سے اُونچا ہو ہر انسان کا سر
اُلفتیں جاگ اُٹھیں چاک ہو کلفت کا جگر　　نصب ہو امن کا بے مثل علم ہر گھر پر
نورِ وحدت کے جو طالب ہیں وہ انساں اُبھریں
یا حسین ابن علیؑ کہتے مسلماں اُبھریں

لاکھ جلتے ہوں فراوانیٔ دولت کے چراغ
لاکھ گردوں کے ستاروں پہ ہو دنیا کا دماغ
لاکھ محرومِ حقیقت ہوں ذرائعِ ابلاغ
خشک ہو سکتا نہیں عظمتِ اسلام کا باغ
غیر ممکن ہے کبھی فرق ہو شادابی میں
خونِ معصوم ہے اس باغ کی سیرابی میں

صحنِ آفاق میں ہجری کے سن اکسٹھ کی پکار
ساری دنیا کو پڑھاتی ہے نمازِ کردار
صرف عاشورِ محرم سے ملا یہ معیار
طرّہ نازہ ہے مقتل میں لہو کی دستار
چشم تقدیس جو بندوں کی ادا پڑھتی ہے
موت کی دھوپ میں چہروں کی ضیا بڑھتی ہے

دیکھتا ہوں لب دریا سر صحرا وہ نظام
جس کے شیرازۂ عظمت پہ مدینے کا سلام
نورِ اسلام سے ٹکرا گئی تاریکیٔ شام
فیصلہ لکھنے کو تیار ہے معصوم امام
سرخیاں مل گئیں آیاتِ شہادت کے لئے
کربلا بن گئی قرطاسِ عبارت کے لئے

وہ فضا جھوم دی وہ چمکا علم عزم حسینؑ
پڑھ کے تکبیر اٹھا فاطمہؑ کا نور العین
پردۂ چشم سے گذرے ورقِ بدر و حنین
کروٹیں لینے لگی دل میں نسیم حرمین
روح اجداد نے ماتھے کی شکن کو چوما
سورۂ عصر نے پیاسے کے دہن کو چوما

رُخِ انور پہ پسینے کی مقدس بوندیں دیدۂ خیر میں تسلیم و رضا کی شمعیں
کلمہ پڑھتی ہے بصیرت وہ منور آنکھیں وسعتِ کون و مکاں قلب کی بینائی میں
معترف شاہِ ولایت ہوں ولایت ایسی
جس پہ قرآن کی تصدیق امامت ایسی

ابنِ تا رُخ کے لیے صنعت آذر کیا ہے آفتاب آئے تو ظلمت کا سمندر کیا ہے
سرفروشی ہے بقا موت کا خنجر کیا ہے اپنے مولا کی مدد چاہیئے لشکر کیا ہے
ابنِ حیدرؑ نے نظر ڈال کے حیدرؑ کی طرح
پڑھ لیا سارے زمانے کو پیمبرؐ کی طرح

کبھی انصار کا ایمان تب و تابِ جگر کبھی میداں کی طرف دیکھ کے اکبرؑ پہ نظر
گفتگو ضبط پہ عباسؑ کا چہرہ پڑھ کر کبھی تلوار سے باتیں کبھی ذکرِ اصغرؑ
وہ حسینؑ لال جو خواہر کی بضاعت دیکھے
مسکراتے ہوئے قرآنِ محبت دیکھے

فوجِ اعدا میں جو لہرائے کہیں خارِ سناں کہا اسلام کی عزت ہیں محمدؐ کے جواں
آئیتں جب نظر آئیں ہدفِ وہم و گماں کہا شبیرؑ ہوں نیزے پہ پڑھوں گا قرآں
آئی صحرا کی صدا شام غریباں ہو گی
کہا پروا نہیں زینبؑ سرِ میداں ہو گی

کوفہ و شام کے طوفاں کا تصور جو ہوا　　　　نبضِ غیرت نے کیا ایک تلاطم برپا
کان میں خیمۂ بیمار کی جنبش نے کہا　　　　کیوں اُسے فکر ہو سجادؔ ہو جس کا بیٹا

بیکسی سلطنتِ ظلم کی بربادی ہے
طوق و زنجیر میں اسلام کی آزادی ہے

آخر اس عزم کی تکمیل کا وقت آ پہنچا　　　　حکم کی دیر تھی عباسؑ نے پرچم کھولا
حسرتِ جنگ میں تلوار کے قبضے سے کہا　　　　ضبط ہے مرضئ شہ ورنہ تو محشر ہوتا

کوئی ارمان بجز مقصدِ شبیرؑ نہیں
جو اطاعت سے مبرّا ہو وہ شمشیر نہیں

اِس اطاعت سے میاں دشت میں دریائے وفا　　　　تا ابد پھیل گئے سبطِ نبیؐ کے رُفقا
سُرخ ہونٹوں سے دہکتے ہوئے ذرّوں نے کہا　　　　یہ ہیں وہ لوگ جنہیں یاد رکھے گی دُنیا

ہر مورّخ کی نظر میں سرِ دفتر ہوں گے
یہ وہ انساں ہیں جو تاریخ کا محور ہوں گے

گونج اُٹھی دوشِ فضا پر یہ ابد گیر پکار　　　　آج سے زندۂ جاوید حسینی انصار
غیر ممکن ہے چھپائے اِنہیں دنیا کا غبار　　　　اِن کے بکھرے ہوئے اجسام ہیں جلووں کی بہار

وقت دیکھے گا مہ و مہر نظر آئیں گے
آئینے ٹوٹ کے بھی آئینے کہلائیں گے

غم کی آندھی میں محمدؐ کا طرحدار نہال ۔۔۔ ضبط کے آئینے میں فاتحِ خیبر کا جلال
کس قدر پیار ہے امت کے لئے فکرِ مآل ۔۔۔ زخم بڑھتے گئے، بڑھتا گیا گلشن کا خیال
رنگِ تعمیرِ چمن یوں بھی بدلتے دیکھا
پیاس کی آگ سے ہر پھول کو جلتے دیکھا

وہ عزیزوں کا لہو قوتِ مظلوم کا رنگ ۔۔۔ جسکی میزان میں ایجادِ زمانہ پاسنگ
کیا غمِ وقت کی تلوار ہے کیا دہشتِ جنگ ۔۔۔ صدقۂ لاشۂ قاسم ہے شجاعت کی امنگ
وقت آیا تو فدا اپنے گلِ تر ہوں گے
دین کے نام پہ سہرے بھی نچھاور ہوں گے

اپنی مضبوطیٔ بنیاد پہ قانونِ نبیؐ ۔۔۔ بھول سکتا نہیں احسانِ حسینؑ ابنِ علیؑ
باپ نے بیٹے کے سینے سے نکالی برچھی ۔۔۔ کیا کلیجہ تھا کہ خود صبر نے تکبیر کہی
ختم ہو جائے وہ مظلوم کا پیغام نہیں
جہاں قرآں کی حکومت نہیں اسلام نہیں

سب کی لاشوں کو اٹھا کر بھی نہ گھبرائے حسینؑ ۔۔۔ آخری چاند تھا جھولے میں اٹھا لائے حسینؑ
پھر جو اک ننھی سی تربت پہ نظر آئے حسینؑ ۔۔۔ یہ وہ منزل تھی جہاں سب نے کہا ہائے حسینؑ
آج تک درد فشاں روح کا فوارہ ہے
ہر نظر اصغرِ معصوم کا گہوارہ ہے

آخری نذر بھی غربت میں ہوئی سرانجام — بھولی سی قبر ہے یہ کہہ کے چلے شاہِ انام
تیرے گہوارے میں کچھ دیر ہے میرا گلفام — ڈھونڈنے آئیں گے اب شام کے نیزے سرِ شام
یہ مرا غنچہ دہن چین کہاں پائے گا
دیکھ لینا سرِ بے شیر بھی کٹ جائے گا

ایک آواز کا احساس کی لہر دل پہ سفر — جیسے کہتی ہو کوئی آ مرے پیارے اصغرؑ
کبھی خیمہ تھا نگاہوں میں کبھی قبرِ پسر — اور کبھی شکرِ خدا سورۂ کوثر پڑھ کر
خشک ہونٹوں پہ کہاں لہجۂ فریاد آیا
نہر پر سویا ہوا شیر بہت یاد آیا

آ گئے خیمۂ اقدس میں تو اٹھا کہرام — سب نے سمجھا کہ بس اب آئے ہیں رخصت کو امام
حلقۂ اہلِ حرم اور نبیؐ کا گلفام — سب غریبوں کے لئے شام سے پہلے ہوئی شام
ماں تو جھولے پہ سر رکھ کے فغاں بھول گئی
رن میں بے شیر کہاں رہ گیا ماں بھول گئی

اپنے سرتاج کے چہرے پہ جو کی ایک نظر — دل کی دھڑکن سے گلے مل گیا خونِ اصغرؑ
جیسے کہتا ہو ابھی ماں کے کلیجے سے پسر — آج پھر جائے گا بابا کے گلے پر خنجر
سینکڑوں دل تیرِ شہِ دیں پہ چلیں گے اماں
عصر کے بعد یہ خیمے بھی جلیں گے اماں

اک طرف بھائی کے زخموں پہ بہن کے آنسو جن پہ قربان تمام اہلِ زمن کے آنسو
شیر دل بنتِ علیؑ تشنہ دہن کے آنسو محشرِ وقت میں خاموش سخن کے آنسو
کربلا کہتی رہی ثانیِ زہرؑا زینبؑ
بھائی کو دیکھ لو بھائی نہ بچے گا زینبؑ

حالتِ بنتِ علیؑ دیکھ کے بولے شبیرؑ آؤ لگ جاؤ گلے اے مری پیاری ہمشیر
اب تو قرآن بچانے کی یہی ہے تدبیر آج نیزے پہ ہو بھائی تو بہن بھی ہو اسیر
کوئی عالم ہو رہِ صبر پہ چلنا زینبؑ
لے کے سجادؑ کو خیمے سے نکلنا زینبؑ

سب سے رخصت ہوئے اللہ نگہبان کہا عرصۂ جنگ میں آئے صفتِ شیرِ خدا
فرق اتنا وہاں سیراب تھے وہ عقدہ کشا اور یہاں سات پہر تا رہے بے آب و غذا
وہاں آنکھوں میں مہکتا ہوا پیارا گلشن
یہاں مظلوم کا اجڑا ہوا سارا گلشن

گرمیٔ جنگ بڑھی موت کی سردی لیکر تیغِ مظلوم چلی کٹنے لگے ظلم کے پر
بازو محروم تھے اب قوتِ بازو سے مگر غمِ اکبرؑ نے کہا یہ ہے جہادِ اکبر
جوہرِ تابِ سلف حیدری شمشیر میں ہے
ہر پیمبرؑ کی دعا ضربتِ شبیرؑ میں ہے

انتقاماً نہ تھے شبیرؑ کی تلوار کے وار   صرف اب وجد کی شجاعت تھی برائے اظہار
مثلِ دیوار جہاں گرتے تھے لشکر کے سوار   چوم لیتا تھا کلائی اسد اللہ کا پیار
کون مظلوم دکھائے گا صفائی ایسی
ایسا پیاسا کوئی ہوگا نہ لڑائی ایسی

لڑتے لڑتے جو نظر آگیا بہتا پانی   شرم سے ہوگیا موجوں کا کلیجا پانی
بحرِ غیرت میں اسی وقت سے ڈوبا پانی   جب سے مظلوم نے آنکھوں سے گرایا پانی
چند قطروں کے لیے ساقیِ کوثر پیاسا
روزِ عاشور تھا دریا پہ سمندر پیاسا

دور سے دیکھ لیں انصار کی لاشیں تو کہا   تم نے دیکھا مرے شیرو مرا اندازِ وغا
دل کے داغوں نے لڑائی کا مزہ چھین لیا   ورنہ تم دیکھتے کچھ اور ہی نقشہ ہوتا
بے کسی ساتھ ہے بے تاب و تواں لڑتا ہوں
یاد کرتا ہوں تمہیں جنگ کہاں لڑتا ہوں

کھل گیا سینۂ مظلوم پہ زخموں کا چمن   چھپ گیا تیروں کی چادر سے مسافر کا بدن
سنگ باری سے ہوا سرخ رخِ تشنہ دہن   سامنے آئی زمیں لگ گیا سورج کو گہن
اک اجالے پہ اندھیروں کی جو یلغار ہوئی
رن میں دن چھپ گیا وہ رات نمودار ہوئی

گر گیا خاک پہ سورج تو ہلا دشتِ بلا روشنی نام ہے جس کا وہ بھی پھیل گیا
آہ بھر کر درِ خیمہ پہ یہ فضہ نے کہا میری شہزادیو اب لٹ گیا باغِ زہراؑ
دیکھ سکتی ہو تو یہ حشر کا منظر دیکھو
نوکِ نیزہ پہ دلِ بنتِ پیمبرؐ دیکھو

اِس خبر سے جو دلِ اہلِ حرم پر گذری اِسکی تشریح زمانے سے تو ممکن نہ ہوئی
بات خاموشیوں میں ڈوب کے خیموں نے کہی رُک گیا شورِ فغاں ختم گئی اشکوں کی جھڑی
کون اِن ظالموں کو روکنے والا ہوگا
فوج خیموں میں چلی آئیگی اب کیا ہوگا

ناگہاں آگ لئے آئے وہ ابلیس جگر فخرِ آدم سے جو رکھتے تھے عداوت کے شرر
چادریں چھن گیئں جلنے لگا مظلوم کا گھر کہا سجادؑ سے زینبؑ نے کہو نورِ نظر
ہم سب اِن شعلوں میں جل جائیں کہ باہر نکلیں
کیا بنی زادیاں خیموں سے کھلے سر نکلیں

ایسے حالات میں سجادؑ امام ابنِ امام بھول کر ضعفِ بدن لائے زباں پر یہ کلام
پھوپھی اماں نہیں تاخیر کا اب کوئی مقام حفظِ جاں مرضیِ معبود ہے جل جائیں خیام
ہر قدم پر ہمیں راضی بہ رضا رہنا ہے
بے ردا اہلِ حرم ہوں یہ الم سہنا ہے

خیمے جلنے رہے بے پردہ نکل آئے حرم
مثلِ شبیرؑ اُٹھے ثانیٔ زہرا کے قدم
اب نہ آنکھوں میں تھے آنسو نہ ردا چھننے کا غم
یہ خبر دے گئی تاریخ کی چشمِ پُرنم
دوش پر فخرِ براہیم اُٹھا کر لائیں
آگ سے بولتا قرآن بچا کر لائیں

آگ کے شعلوں سے بھڑکی تو بہت پیاس مگر
ننھے بچے بھی شکایت نہیں لائے لب پر
بھائی کی بیڑیاں آنکھوں سے لگا کر اکثر
کیا تعجب ہے جو کہتی ہو سکینہؑ رو کر
خاک پر سوئینگے بستر بھی نہ ہوگا بھیا
کیا ہمارے لیے اب گھر بھی نہ ہوگا بھیا

مرے عموّ اگر آجائیں تو پھر سب دیکھیں
کس طرح کٹتی ہیں یہ بیڑیاں اور زنجیریں
کیسے مارا مرے بابا کو بھتیجی سے سنیں
فوج کو خیمے جلانے کی سزا آج ہی دیں
رات ہو گی تو اندھیرے میں چلی جاؤں گی
میرے عموّ کو میں آپ ہی لے آؤں گی

کیا تعجب ہے یہ کہتے ہوں تڑپ کر سجادؑ
آج تو سب سے زیادہ ہے چچا جان کی یاد
وہ اگر ہوتے تو ممکن نہ تھی ہم پر بیداد
چپ رہو جانِ اخی کون سنے گا فریاد
اب کوئی گھر کوئی تکیہ نہ بچھونا ہوگا
آج سے میری بہن خاک پہ سونا ہوگا

زینبؑ وطن میں ہے مری صغرا کو انتظار
کرنا گلے لگا کے مری غمزدہ کو پیار
زینبؑ چلے تھے گھر سے تو صغرا کو تھا بخار
باہیں گلے میں ڈال کے کہتی تھی بار بار
یہ عالمِ فراق مٹائیں گے یا نہیں
بابا مجھے بھی آپ بلائیں گے یا نہیں

زینبؑ مری طرف سے یہ کہنا بصد دعا
صغرا تمام قافلہ غربت میں لٹ گیا
وعدہ کیا تھا جس نے وہ بھائی نہیں رہا
مظلومیت کی جان ہے اصغرؑ کا ماجرا
وہ بے زباں کی تیر سے گردن ڈھلی ہوئی
کرتے پہ ہے تمام کہانی لکھی ہوئی

زینبؑ تمہارے بھائی کا اک اور ہے پیام
جس وقت کرنا مادرِ عباسؑ کو سلام
کہنا مری طرف سے بصد عزّ و احترام
اماں مری بقا ہے مرے باوفا کا نام
ڈالی ہے جان عزم و عمل کے فسانے میں
عباسؑ جیسا بھائی نہ ہوگا زمانے میں

مظلومیت

مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے
مظلومیت میں تارِ نفس ذوالفقار ہے
اِس لفظ پر کمالِ شجاعت نثار ہے
مظلومیت میں قوتِ پروردگار ہے
پگھلا کے غم کی آنچ سے سنگِ حیات کو
مظلومیت نے جیت لیا کائنات کو

مظلومیت حِصار ہے قرآن کا حِصار
مظلومیت وقار ہے اسلام کا وقار
روحِ تغیراتِ مشیت کا اختیار
مظلومیت میں پیار ہے سارے جہاں کا پیار
حلقے میں ہے ابد وہ مسلسل پیام ہے
مظلومیت سیاستِ قرآں کا نام ہے

مظلومیت بُجھے ہوئے کردار کی اُمنگ
مظلومیت وہ زندگی چشمِ قضا ہے دنگ
اللہ کی رضا سے مٹا کر انا کا رنگ
مظلومیت نے وضع کیئے ہیں اصولِ جنگ
سمجھا دیا علاجِ ستم انقلاب ہے
حق جس کی آن ہو وہ بغاوت ثواب ہے

انسانیت کے اہلِ قلم اور ادب نواز　　منظلومیت کے نور سے ہیں روشنی طراز
تاریخ سے نگاہِ بشر پر کھلا یہ راز　　انسانیتِ اذان ہے منظلومیت نماز
اِس باغ کی ہوا سے عمل کے گلاب ہیں
منظلومیت کے سائے میں لاکھ آفتاب ہیں

منظلومیت دراصل خدا آشنا مزاج　　منظلومیت سے لرزہ براندام سامراج
اِس در کی مُشتِ خاک ہیں دُنیا کے تخت و تاج　　منظلومیت کو ملتا ہے کونین سے خراج
ہر معرکے میں جبر نگاہی کی موت ہے
منظلومیت رعونتِ شاہی کی موت ہے

منظلومیت کے آئینے میں زندگی کا رنگ　　اہلِ نظر کے واسطے حق آگہی کا رنگ
منظلومیت بنامِ خدا ہے خودی کا رنگ　　اس رنگ نے مٹا دیا ہر سرکشی کا رنگ
سایہ فگن جو ظلم کے ہتھیار ہو گئے
منظلومیت کی برق سے فی النار ہو گئے

منظلومیت وہ تیشۂ ایثار و حق پسند　　توڑی ہے جس کی ضرب نے ہر آذری کمند
منظلومیت وہ حیدری چابک دم گزند　　ڈرتا ہے جس سے گردشِ تقدیر کا سمند
یہ امر لازوالِ خرد کا نظام ہے
منظلومیت فراستِ خیر الانام ہے

مظلومیت وہ درد کا سیلابِ تند خو | جس نے رکھی تموّجِ قدرت کی آبرو
دیکھیں یہ طرزِ جنگ زمانے کے جنگجو | مظلومیت ہے خونِ جگر بند سے وضو

طوفاں کی روح کہئے سمندر کی موج کو
بچے بھی مسکرا کے الٹتے ہیں فوج کو

ہر نقطۂ عروج نظر اس عمل میں ہے | الحمد کا تمام اثر اس عمل میں ہے
کہتی ہے شام نورِ سحر اس عمل میں ہے | انساں عظیم ہے یہ خبر اس عمل میں ہے

تقدیرِ دو جہاں کا احاطہ کئے ہوئے
مظلومیت ہے ساری خدائی لئے ہوئے

مظلومیت ہے بحرِ تمدن کی تیز لہر | وہ لہر جس نے کر دیا صحرا کو روحِ شہر
مظلومیت نے پیاس میں ٹھکرا کے آبِ نہر | میدان میں پلا دیا سفاکیت کو زہر

عصیاں مزاج وقت کی رفتار کاٹ دی
شہ رگ سے اضطراب کی تلوار کاٹ دی

کیا چیز ہے یہ جلوۂ بیداریٔ جہاں | مظلومیت نے دی ہے بصیرت کی کہکشاں
یہ مجلسیں یہ حلقۂ ماتم یہ نوحہ خواں | مظلومیت ہے فطرتِ انساں پہ حکمراں

اک بیکس و غریب کا احسان یاد ہے
مظلومیت کی فتح کا اعلان یاد ہے

مظلومیت کا زور ہے خاموش انقلاب
خاموش انقلاب میں تسخیر کا شباب
مظلومیت سے وحشتِ حاکم کا سدِّ باب
اے کربلا نہیں ترے مہمان کا جواب
زخموں سے برچھیوں کا جگر چاک کر دیا
مظلومیت کو مطلعِ ادراک کر دیا

صدیوں سے ہے مصیبتِ عاشور کا سوال
تاریخ کی نگاہ دکھائے کوئی مثال
وہ دشت جس کی چھاؤں میں جلنے لگے خیال
مظلوم اُس کی دھوپ میں تھا فاطمہؑ کا لال
سیراب کر کے دشتِ بلا خونِ پاک سے
مظلومیت نے چاند اُگائے ہیں خاک سے

مظلومیت کے چاند ہیں وہ رہنما اُصول
تسلیم کر رہے ہیں جنہیں آسماں کے پھول
مظلومیت کی حد میں ہے دنیا کا عرض و طول
یعنی غمِ حسینؑ ہے سرمایۂ رسولؐ
اسلام کے بغیر مسلمان ہی نہیں
مظلوم سے جدا ہے تو انسان ہی نہیں

مظلومیت فضاؤں میں کہتی ہے یا حسینؑ
آوازِ یا حسین میں ہے زندگی کا چین
سنتا ہے آج بھی یہ صدا صحنِ مشرقین
پروردگارِ صبر ہے زہرؑا کا نورِ عین
انساں کو اپنی قدر کا عرفان چاہیئے
پروردگارِ صبر پہ ایمان چاہیئے

انساں کیا بھلائیگا مظلوم کا پیام
زندہ ہے جس پیام سے احساس کا نظام
مخفی نہیں یہ بات سمجھتے ہیں خاص و عام
سب کچھ فنا ہے صرف حقیقت کو ہے دوام
نام و نشاں کی روشنی راہِ خدا میں ہے
زندہ وہی ہے جس کی نظر کربلا میں ہے

بے وجہ تو نہیں یہ محرّم میں شور و شین
تہذیب کے صحیفے ہیں اہلِ عزا کے بین
اشکوں سے جگمگایا ہے ایوانِ مشرقین
مظلومیت کے عرش پہ سمجھا گئے حسینؑ
نقدِ جہاں سے فکر کو رسوا نہ کیجیے
مرجایئے ضمیر کا سودا نہ کیجیے

مردہ ہے خواہشات میں ڈوبا ہوا ضمیر
لعنت ہے زر کی دھوپ سے پگھلا ہوا ضمیر
تذلیلِ زندگی ہے خریدا ہوا ضمیر
پیمانۂ یزید ہے بیچا ہوا ضمیر
اک آن میں حیات کا رُخ موڑ دیجیے
تاریکیوں کو حُرؑ کی طرح چھوڑ دیجیے

مظلومیت کا خاص تقاضہ ہے دمبدم
اُونچا رہے شعور کی تہذیب کا علم
لمحات کا شکار ہوں صدیوں کے پیچ و خم
مظلوم حق پرست کا حامی رہے قلم
ظلمت کہاں تک ہے یہ حد ناپ لیجیے
پھر آفتابِ عزم کا قد ناپ لیجیے

راہوں کی آگ راکھ بنے تیز ہوں قدم   اِک اِک قدم حصار کرے بارشِ کرم
سُرمہ بنا کے عزم کی بجلی سے کوہِ غم   لہرائیے خدا کے لئے پرچمِ حشم
تکبیر کی صدا دلوں سے باطل دہلائی دے
مغرور قوتوں کا جنازہ دکھائی دے

خونِ جگر سے فکر کا چہرہ سجائیے   دل کا لہو چراغ نظر میں جلائیے
کردار میں خلوص کی گرمی لبائیے   دُنیا جہاں رُلائے وہاں مسکرائیے
دیکر دعائیں زخمِ ستم کے جواب میں
پھر دیکھیے سکونِ رگِ اضطراب میں

نفرت کا زور فرطِ محبت سے توڑیئے   غصے کا رُخ کمالِ تحمّل سے موڑیئے
خیر العمل سے شر کی کلائی مروڑیئے   کانٹے سے رنگ سنگ سے خوشبو نچوڑیئے
ظرفِ نظر سے فکر کی صہبا اُچھال کے
آہن کو نور دیجیے شیشے میں ڈھال کے

پیدا ہو اعتبارِ اخوت نظر نظر   قائم رہے وفا کی تجلّی نگر نگر
نقشِ قدم ہوں چاند ستارے سفر سفر   سرمایہ دارِ حمد خدا ہو بشر بشر
سچائیوں کی روح کا حامل بیان ہو
ہر فیصلہ جہانِ عدالت کی شان ہو

بیٹے نینوں کا نور ہو سجدہ دل کا ترجماں
سینوں میں آفتاب ہو پارس ہوں اُنگلیاں
پھیلے کچھ اس ادا سے شرافت کی کہکشاں
بستی میں ہو بہار تو صحرا ہو گلستاں
احساسِ باہمی کا تبسّم جوان ہو
ہر فرد اپنی ذات میں اِک آسمان ہو

فرمانروائے ملک ہو کوئی کہ ہو فقیر
مظلومیت ہے آج بہر حال دستگیر
لازم ہے گوشِ دل سے سُنیں سب جوان و پیر
مظلوم کہہ رہا ہے یہ آوازِ دل پذیر
سیرت سے اپنی ذات کی تعمیر چاہیئے
طیّب معاشرہ ہو وہ تدبیر چاہیئے

فطرت ہے اپنے نفس کی اصلاح کا شعور
اصلاحِ نفس قاطعِ ظلمت چراغِ طور
فطرت پہ ہو یقین تو ممکن نہیں غرور
یعنی کمالِ عجز میں ہے بندگی کا نور
حکمت سے دور آئینۂ آب و گِل نہیں
جس میں خدا کی یاد نہیں ہے وہ دل نہیں

یادِ خدا ہے اصل میں بندے کی آبرو
وہ آبرو کرے جو ستاروں سے گفتگو
یادِ خدا میں دیکھئے انساں کو سرخرو
دامن نچوڑ دے تو فرشتے کریں وضو
کھینچا ہے جس نے ہاتھ زمیں پر فساد سے
واقف ہے وہ تمام حقوق العباد سے

قندیلِ انقلاب کی لو ضبط پروری
منزل کا پیش خیمہ ارادے کی پختگی
آنکھوں کا نور دل میں صداقت کی روشنی
دل کا شباب گرمیٔ ایمان و آگہی
قبضہ رہے سمند عقیدت کی باگ پر
ڈرتی ہے جس سے آگ وہ چلتا ہے آگ پر

غنچے ہوا میں رنگ بکھیریں گے بے خطر
کلیاں فضا کی مانگ بھریں گی دمِ سحر
ہر پھول مسکرا کے لٹائے گا نور زر
خوشبو نفس نفس میں بنائیگی اپنا گھر
بادِ خزاں کی قید کا سامان کیجیے
ہر ذہن کو بہار کا گلدان کیجیے

سیرابیٔ چمن ہے چمن دوستی کا حسن
تاریکیوں کا خاتمہ ہے روشنی کا حسن
خلقِ خدا کے پیار میں ہے آگہی کا حسن
احساسِ دردِ غیر سمجھیے خوشی کا حسن
سب صورتیں ہیں خوبیٔ سیرت کے واسطے
یہ زندگی ملی ہے عبادت کے واسطے

خود اپنے تجربوں کے پرستار آدمی
جلتا ہے کوئی گھر تو سمجھتے ہیں روشنی
اے کاش دل نشیں ہو کبھی یہ خیال بھی
کیوں زندگی کی لاش پہ ہنستی ہے زندگی
کہنا پڑے گا نشۂ دولت کا رنگ ہے
شبنم سے جو الگ ہے وہی پھول سنگ ہے

وہ قوم جس کے رہبرِ اعظم ہیں مصطفےٰؐ
اُس کو مٹا سکے یہ زمانہ مجال کیا
وہ قوم جس کے عزم کا محور ہے کربلا
جس کے لہو کا رنگ ہے جلوہ حیات کا
قرآن واہلبیت سے جس کا نظام ہے
اُس قوم پر ہوائے تعصب حرام ہے

بجتا ہے کربلا میں وہ نقارۂ عمل
جس کی صدائے ناز میں ہے مشکلوں کا حل
لازم ہے تلخیوں کے لیے لذّتِ عسَل
مظلوم دے رہا ہے ہمیں امنِ لایزل
یہ بات وہ سُنیں جنہیں قرآن یاد ہے
اسلام میں دفاع کی صورت جہاد ہے

سمجھیں یہ بات قوم کے افرادِ خوش نگاہ
کب تک رہے گی شوخیٔ باطل سے رسم و راہ
غالب ہے کیوں یقین کی دنیا پہ اشتباہ
کچھ سوچئے کہ رنگِ تمدن ہوا سیاہ
ڈر جائے جس سے موت وہ پیغام چاہیئے
اب قوم کو حسینؑ کا اسلام چاہیئے

ماضی سے ہمکنار مسلماں کی نظر
قرباں ہو رہی ہے ادائے خلیلؑ پر
انسان اور اطاعتِ خلّاقِ بحر و بر
تعبیرِ خواب کے لیے قربانیٔ پسر
خوشنودیٔ الٰہ کا منظر عجیب تھا
بندہ بہ نفسِ پاک خدا سے قریب تھا

خنجر کی دھار حلقِ پسر اور پدر کا دل　　اس جو چلے نے موہ لیا بحر و بر کا دل
کہتا ہے آج عالمِ فکر و نظر کا دل　　جذبِ خلیلؑ بن گیا خیر البشر کا دل
خنجر چلا دیا تھا جو عزمِ صمیم سے
اللہ نے بدل دیا ذبحِ عظیم سے

ذبحِ عظیم قسمتِ اسلام نورِ حق　　ذبحِ عظیم صبر کا سورج شعورِ حق
ذبحِ عظیم تاجِ مسلماں غرورِ حق　　ذبحِ عظیم کرب و بلا میں سُرورِ حق
عاشور کے ورق پہ عمل کا نصاب ہے
ذبحِ عظیم خونِ رسالت مآبؐ ہے

پڑھ لیجئے وہ مصحفِ مقتل کی آیتیں　　معراج پر نظامِ خدا کی حمایتیں
زخموں کی نذر سارے جہاں کی ولایتیں　　قانونِ کردگار کی زندہ روایتیں
لائے تھے قتل گاہ سے جب نورِ عین کو
قرآن نے سلام کیا تھا حسینؑ کو

قرآن کے سلام کا مقصد ہے آشکار　　زندہ رکھیں حسینؑ نے آیاتِ کردگار
نیزے کی نوک پر وہ تلاوت کا اختیار　　کہئے جسے تحفظِ اسلام کی بہار
اعجاز کب تھا فاطمہؑ کے لالہ فام کا
نقارہ بج رہا تھا محمدؐ کے نام کا

نیزے پہ سر زمین پہ بکھرا ہوا بدن بکھرا ہوا بدن تھا کہ اسلام کا چمن
وہ پھول سونگھتے تھے جسے سرورِ زمن اُس پھول کو غبار نے اُٹھ کر دیا کفن
جو ضبط بن گئی تھی وہ فریاد زندہ باد
بعدِ حسینؑ زینبؑ و سجادؑ زندہ باد

کیسے کہوں کہ شام غریباں گذر گئی اشکوں کے ساتھ آہ یتیماں گذر گئی
کوفے سے شام تک شب زنداں گذر گئی زنداں میں ایک جانِ اسیراں گذر گئی
بیمار کی نگاہ تھی زینبؑ کے صبر پر
سجادؑ چپ کھڑے تھے سکینہ کی قبر پر

مدت کے بعد شام کے زنداں کا در کھلا حکمِ رہائی آیا تو زینبؑ نے دی صدا
اُٹھو سکینہ اب تو اندھیرا گذر گیا سب جا رہے ہیں تم بھی چلو میری مہ لقا
اے لال نیند ایسے میں کیوں اختیار کی
اب تو سحر ہوئی ہے شبِ انتظار کی

اُٹھو سکینہ اُٹھو سوئے کربلا چلو بابا کے پاس اوڑھ کے ننھی ردا چلو
بیمار بھائی گود میں لے جائیگا چلو اصغر کو دیکھنا ہے تو جلدی ذرا چلو
اتنا تو غم نہ چاہیئے پانی کی بات پر
عباسؑ انتظار میں ہوں گے فرات پر

حاصل ہوا نہ قبرِ سکینہ سے کچھ جواب
زینبؑ کے پاس آکے یہ کہنے لگیں ربابؑ
اے بنتِ فاطمہؑ مری بچی ہے محوِ خواب
کہہ دیجئے قافلے سے چلے کر بلا شتاب
مرقد رہے گا شام میں اِس غم نصیب کا
تنہا ہمیاں خیال رکھیں گی غریب کا

آخر دیارِ شام سے نکلے اسیرِ شام
ننھی سی ایک قبر نے سبکو کیا سلام
اہلِ عزا یہاں ہے مصائب کا اژدہام
اب شاعرِ حسینؑ ہے اور آنسوؤں کے جام
آنکھوں سے آنسوؤں کا سمندر اُبل پڑے
اغلب ہے آج منہ سے کلیجہ نکل پڑے

دل جس پہ خون روئے وہ عالم نظر میں ہے
محشر بدوش منظرِ ماتم نظر میں ہے
ٹھہرا جہاں پہ قافلۂ غم نظر میں ہے
کچھ بیکسوں کا گریۂ پیہم نظر میں ہے
آہوں سے یوں ہے فکر کی بستی بسی ہوئی
ہر سانس جیسے گورِ غریباں بنی ہوئی

ویران دشت دیکھ رہا ہوں اِدھر اُدھر
بے چینیاں ہیں گرم ہواؤں کے دوش پر
پرواز کر رہا ہے وہاں طائرِ نظر
کوسوں جہاں نصیب نہیں سایۂ شجر
تنہائیاں ہیں درد کی دنیا لئے ہوئے
یا بیکسی کی دھوپ ہے سایہ کئے ہوئے

وہ دشت ہے نگاہ کے پردے پہ آشکار — دامن میں جس کے لٹ گئی کونین کی بہار
وہ سرزمیں ہے آج تصور سے ہمکنار — جس پر لہو ہوا ہے محمدؐ کا لالہ زار
فطرت جہاں چراغ شہادت جلاتی ہے
مجھ کو وہاں سے رونے کی آواز آتی ہے

یہ دشتِ کربلا ہے قیامت کی سرزمیں — سوئے ہیں جس کی خاک پہ زہراؑ کے مہ جبیں
وہ اک طرف جو گرد اُٹھی ہے کہیں کہیں — راہِ دمشق سے کوئی آتا ہے بالیقیں
ظاہر ہیں کچھ عماریاں کچھ راہوار ہیں
چھوٹے سے قافلے کے نشاں آشکار ہیں

وہ چھٹ گیا غبار وہ ظاہر ہوا بشیر — معلوم ہو رہے ہیں مدینے کے راہ گیر
وہ اک جواں ہے سر کو جھکائے بشکلِ پیر — مدت سے جیسے طوق و سلاسل میں اک اسیر
اِک اِک نفس میں حوصلۂ مشرقین ہے
مظلومیت کی راہ میں یہ بھی حسینؑ ہے

اک وقت یہ غریب ہے کونین کا امام — سجادؑ ہے اس کا لقب اور علیؑ ہے نام
جس نے کمالِ ضبط سے توڑا غرورِ شام — کانٹوں پہ جو چلا وہ یہی ہے خجستہ گام
اس کی نظر میں سب سے جدا کارزار ہے
خاموش انقلاب کا پروردگار ہے

ٹھہرا بشیر قافلہ، غم ٹھہر گیا
ساکت ہوئیں ہوائیں تڑپنے لگی فضا
پردے عماریوں کے ہلے درد دل بڑھا
آنسو بہے بشیر نے تھرا کے دی صدا
بیاسے مجاہدوں کا گلستاں قریب ہے
اے اہلبیت گورِ غریباں قریب ہے

یہ سنتے ہی غریب تھے اور محشرِ فغاں
دُرّوں سے جو چھپی تھیں وہ آہیں ہوئیں عیاں
سجّاد رو دیئے سج گئی پلکوں پہ کہکشاں
غم کی زبان بن گئے ہتھکڑیوں کے نشاں
جی بھر کے دل کا درد سُنانے کو باپ سے
زخموں کی بات کرنے لگے اپنے آپ سے

فضّہ کو دی صدا پھوپھی اماں سے ہوشیار
محمل سے گِر نہ جائیں کہیں ہو کے بے قرار
کہدو قریب آ گیا ماں جائے کا مزار
گر حکم ہو یہیں پہ اُتر جائیں پردہ دار
پیدل یہاں سے پیاسوں کی بستی میں جائیں ہم
گر حکم ہو تو حلقۂ ماتم بنائیں ہم

فضّہ پکاری سیّد سجّاد جلد آؤ
بے ہوش ہو گئی ہے پھوپھی ہوش میں تو لاؤ
محمل کے پاس غیر اگر ہوں انہیں ہٹاؤ
اے شاہزادے دوڑ کے خود ہی گلے لگاؤ
تسکین دے کے صبر کی قوت سے کام لو
زہراؑ کی لاڈلی کے کلیجے کو تھام لو

سجادؑ جلد آؤ قیامت گذر نہ جائے
دُنیا سے فاطمہؑ کی امانت گذر نہ جائے
جو سب کی زندگی ہے وہ صورت گذر نہ جائے
یعنی غمِ حسینؑ کی دولت گذر نہ جائے
زینبؑ نہیں رہی تو کسے لے کے جاؤ گے
پھر کس کے ساتھ حلقۂ ماتم بناؤ گے

فضہؑ سے جب یہ دردِ الم کی صدا سُنی
سجادؑ نے تڑپ کے پکارا مری پھوپی
کیا بیکسی کی رسم یہاں آکے توڑ دی
سنبھلو کہ اب تو بھائی کی تربت بھی آگئی
جی بھر کے آج روؤ شہِ مشرقین کو
جاؤ لحد پہ جا کے پکارو حسینؑ کو

اُٹھو پھوپی چلو علیؑ اکبر کو دیکھ لو
مٹی میں اپنے مہرِ منور کو دیکھ لو
سوتے ہوئے شبیہِ پیمبرؐ کو دیکھ لو
جس میں تمہارا لال ہے اُس گھر کو دیکھ لو
شام و سحر نثار تھیں جس گلعذار پر
اشکوں کے پھول ڈال دو اُسکے مزار پر

دیکھو پھوپی فرات کا ساحل بھی آگیا
آرام کر رہے ہیں جہاں پر مرے چچا
ایسے میں اک خیال سے دل ڈوبنے لگا
ہم سے عجیب وقت سکینہ ہوئی جدا
عموؑ کو کس طرح یہ کہانی سُنائیں گے
خالی ہیں ہاتھ قبر پہ کس منہ سے جائیں گے

سجادؑ نے یہ کہہ کے اٹھایا پھوپھی کا سر — زانو پہ رکھ کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
جس دم عبا سے پونچھا پسینہ بچشمِ تر — زینبؑ نے آنکھیں کھول کے دیکھا ادھر ادھر
کہنے لگیں کہو مرا بھائی کہاں پہ ہے
سجادؑ میری ماں کی کمائی کہاں پہ ہے

سجادؑ نے کہا پھوپھی اماں یہیں یہیں — وہ دیکھو سامنے ہیں محمدؐ کے مہ جبیں
اونچی سی سامنے نظر آتی ہے جو زمیں — پیچھے اسی کے بابا کی تربت ہے بالیقیں
پیشِ نگاہ حیدرؑ صفدر کا باغ ہے
اٹھو بہت قریب نبیؐ کا چراغ ہے

یہ سن کے اٹھ کھڑی ہوئی زہراؑ کی لاڈلی — اٹھتے ہوئے بھتیجے سے اک بات یوں کہی
سجادؑ سب سے جا کے یہ کہہ دو ابھی ابھی — ہٹ جائیں لوگ آتی ہے خواہر حسینؑ کی
غصے میں اماں جانے کو ہرگز نہ لاؤں گی
بھائی کی قبر پہ میں کھلے سر نہ جاؤں گی

فضہ کا ہاتھ تھام کے زینبؑ ہوئیں رواں — آئیں تمام حلقۂ ماتم میں بیبیاں
کلثومؑ سی بہن ہوئی حلقے میں نوحہ خواں — ہونے لگی بیان شہیدوں کی داستاں
پھٹنے لگے جگر جو غریبوں کے بین سے
سینوں پہ ہاتھ پڑنے لگے یا حسینؑ سے

زینبؑ کو آ گیا جو نظر بھائی کا مزار
بے ساختہ پکار اُٹھی ہو کے بے قرار
بھیّا بہن کو لینے تو آؤ بہن نثار
بھیا جواب دو یہ کلیجہ ہوا فگار
آنکھوں میں بھر کے رونے کا ارمان لائی ہوں
میں سوگوار شام کے زنداں سے آئی ہوں

یہ بین کر کے آ گئیں جس دم سرِ مزار
پھیلا کے ہاتھ گر پڑیں زہراؑ کی یادگار
مائقار گر کے خاک پہ بولی وہ اشکبار
بھیّا سلام کرتی ہے زینبؑ جگر فگار
بازو کو چومنے کی ادا یاد آئی ہے
بھیّا مجھے دمشق سے تقدیر لائی ہے

بھیّا گلا کٹا کے یہاں تم تو سو گئے
کرنے میں اس بہن کے لئے تازیانے تھے
بھیّا میں یوں تھی سامنے ابن زیاد کے
چہرے پہ بال ہاتھ رسن میں بندھے ہوئے
اب تک ہے جن میں خاک وہ گیسو تو دیکھ لو
بھیّا ذرا اُٹھو مرے بازو تو دیکھ لو

بھیّا میں شرمسار ہوں کیسے کروں بیاں
زندانِ شام تک رہی بچی کی پاسباں
غربت میں چھوڑ آئی ہوں اِک دردکا نشاں
بھیّا یہ پوچھ لو کہ سکینہ گئی کہاں
اِتنے طمانچے کھائے کہ بے جان ہو گئی
بھیّا تمہارے سر پہ وہ قربان ہو گئی

بھیا بہن کے ہاتھوں میں اِس دم رسن نہیں　　مجبور آج سینہ زنی کو بہن نہیں
بھیا بتاؤ اب تو کہیں بے کفن نہیں　　اکبار کہدو زخموں میں کوئی جلن نہیں
بھیا مجھے دکھاؤ گے حالت زبان کی
کیا پیاس بجھ گئی ہے میرے بھائی جان کی

کڑیل جواں کی لاش اُٹھانا ہے یادگار　　کیا روشنئ چشم ابھی تک ہے برقرار
تم نے بھی تھی فرقتِ عباسؑ نامدار　　کیا آج بازوؤں میں نہیں درد بے شمار
سینے پہ داغِ قاسمؑ مضطر نہیں رہا
کہدو خیال میں علی اصغرؑ نہیں رہا

بھیا کہو تو زُلفِ مبارک سنوار دوں　　بھیا اگر غبار ہو رُخ پر صفا کردوں
اب تو گلے کے زخم سے بہتا نہیں ہے خوں　　بھیا بتاؤ اب تو میسّر ہوا سکوں
پہلو میں اب چبھے ہوئے بھالے ہیں یا نہیں
بھیا کسی نے تیر نکالے ہیں یا نہیں

بھیا مجھے بھی پاس بُلالو کسی طرح　　میری لحد بھی ساتھ بنالو کسی طرح
فرقت کی قید میں ہوں نکالو کسی طرح　　بھیا مجھے گلے سے لگالو کسی طرح
آئی تھی ساتھ ساتھ ہی ڈیرا جماؤں گی
نانا کی قبر پہ میں اکیلی نہ جاؤں گی

غیرت نواز میرے برادر جواب دو　　کب سے پکارتی ہے یہ خواہر جواب دو
میرے غریب کشتۂ خنجر جواب دو　　سر سے اُتارتی ہوں میں چادر جواب دو
دیکھوں مجھے جواب نہیں دو گے کس طرح
بھیّا برہنہ سر مجھے دیکھو گے کس طرح

مانجائے صرف میں ہی نہیں غم کی مبتلا　　صدمہ تمہیں بھی ہوگا بہن کی جدائی کا
مانجائے اور کچھ نہیں میرا مطالبا　　اکبار کہدو اے مری زینبؑ وطن نہ جا
بھیا تمہارے پاس محمدؐ ہے عون ہے
اکبرؑ میرا یہاں ہے مدینہ میں کون ہے

زینبؑ کے اِس بیان پہ تھرّائی کربلا　　مظلوم کے مزار سے آنے لگی صدا
زینبؑ غریب بھائی کی غمخوار مرحبا　　تم نے تمام حقِّ رفاقت ادا کیا
زندہ رہو صداقتِ پیغام کے لئے
مظلومیت عزیز ہے اسلام کے لئے

زندانِ شام سے تو رہائی ملی بہن　　لیکن تمہاری قید ہے، یہ زندگی بہن
کیا پاؤ گی نجات غموں سے مری بہن　　اب ساری عمر ہے نفسِ بیکسی بہن
دُنیا کو واقعاتِ مصیبت سُناؤ گی
عابدؑ کو بار بار گلے سے لگاؤ گی

انسان اور کربلا

انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا
تہذیب ردِّ ظلم سکھاتی ہے کربلا
فطرت کو روشنی سے سجاتی ہے کربلا
ذہنوں میں آفتاب اُگاتی ہے کربلا
منسوب ہو جو فکرِ حسینؑ بیان سے
برسیں مہ و نجوم بشر کی زبان سے

بے شک وہ حرف و لفظ ہیں مثلِ مہ و نجوم
جو ذکرِ کربلا میں ہوئے دفترِ علوم
لاریب اُس ادب نے مچائی ادب میں دھوم
جو فکرِ کربلا سے مزین ہے باالعموم
مقتل کی سرخیوں سے قلم زرنگار ہے
جس میں ہے کربلا وہ سخن پائیدار ہے

کیسے نہ پائیدار ہو تحریر کا مزاج
ملتا ہو آفتاب سے جب روشنی کا تاج
دیتا ہے اُس بیاں کو جہانِ بیاں خراج
ڈالے جو رنگِ نظم سے ایثار کا رواج
تسخیرِ شام ذہنِ سحر آشنا سے ہے
یعنی بقائے اہلِ سخن کربلا سے ہے

دیکھے ہیں ہم نے سارے جہاں کے سخن طراز　　انسانیت ہے سب کے بدن کی قبائے ناز
اِس وحدتِ خیال میں لیکن یہ امتیاز　　ہر شہر جانماز ہے اور کربلا نماز
ظالم سے نفرتوں کے تقاضے کہاں نہیں
مظلومیت کی فتح پہ سجدے کہاں نہیں

تحریکِ پاسداریٔ مظلوم زندہ باد　　آزادیٔ ضمیر کا مفہوم زندہ باد
اہلِ قلم میں قصۂ معصوم زندہ باد　　جو محوِ کربلا ہے وہ مغموم زندہ باد
غم سے تخیلات کی تعمیر ہو گئی
انسان کے مزاج کی تطہیر ہو گئی

پیمانۂ مزاج بنا وسعتیں ملیں　　دل وضع ہو گئے تو نئی دھڑکنیں ملیں
مرکز ملا شعور کی ساری رگیں ملیں　　سمٹے تمام فاصلے سب سرحدیں ملیں
ہر بزم ایک زُلفِ خرد کی اَسیر ہے
ہر ملک کربلا کی زمیں کا سفیر ہے

ہر ملک غیرتِ بنیٔ آدمؑ کی انجمن　　ہر انجمن کی شان تمدّن کا بانکپن
اک روشنی کی بات چراغاں دہن دہن　　گویا کتابِ شوق کی جاں صرف اِک سخن
دنیا کا اعتبار ہے اک اعتبار میں
سب کی صدا ملے گی حسینی پکار میں

وہ مشرقی پکار ہو یا مغربی صدا — مظلومیت کے ساز پہ دونوں ہیں ہم نوا
محور بنا ہے ایک جنوب و شمال کا — تفریقِ رنگ و نسل پہ غالب ہے کربلا
تسکینِ روح سایۂ آہ و بکا میں ہے
ہر صاحبِ شعور کا دل کربلا میں ہے

شاعر کسی خیال کا ہو یا کوئی ادیب — واعظ کسی دیار کا ہو یا کوئی خطیب
تاریخ تولتا ہے جہاں کوئی خوش نصیب — اِس طرح بات کرتا ہے احساس کا نقیب
دیکھو تو سلسلہ ادبِ مشرقین کا
دُنیا کی ہر زباں پہ ہے قبضہ حسینؑ کا

دنیا ورق ہے طغرۂ آیت ہے کربلا — کیا ہیں روایتیں یہ روایت ہے کربلا
جسکی غرض ہے عدل وہ غایت ہے کربلا — کعبہ تو ابتدا ہے نہایت ہے کربلا
دنیائے مہر و ماہ اسی راستے میں ہے
ہر نور کربلا کے شریعت کدے میں ہے

عہدِ ستمگری میں شکیبائیوں کا نور — دار و رسن میں فکر کی سچائیوں کا نور
نادانیوں کے دور میں دانائیوں کا نور — شامِ عمل میں صبح کی رعنائیوں کا نور
انسان پروری میں جسے اِنہماک ہے
وہ روشنی حسینؑ کے مقتل کی خاک ہے

مقتل کی خاک یا کسی روضے کی جالیاں
سب نسبتِ عظیم کی روشن خیالیاں
حقانیت کے پھول عقیدت کی ڈالیاں
سب اہلِ معرفت کی صداقت جمالیاں
کلمے کی بات بن گئی پیاسے کی بات سے
زندہ رہے رسولؐ نواسے کی ذات سے

اسلام اور قصیدۂ اسلام کی قسم
سبطِ نبیؐ کے دم سے ہے فکر و نظر میں دم
خیر البشرؐ کا نام اگر دل پہ ہو رقم
اِک بوریہ نشین بھی اُلٹا ہے تختِ جم
باطل مٹے گا جرأت تردید چاہیئے
پھیلے گا حق حسینؑ کی تقلید چاہیئے

کہنا پڑے گا حق ہے دلبستانِ کربلا
وحدت کی معرفت ہے بہ عرفانِ کربلا
کہنا پڑے گا دین ہے میزانِ کربلا
زندہ ہے ہر کتاب بہ عنوانِ کربلا
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اِس نفسیات کو
روشن کیا حسینؑ نے انساں کی ذات کو

تاریخ کارنامۂ انساں نہ بھولیئے
دل ہے تو خونِ دل کا چراغاں نہ بھولیے
بالیدگیٔ روح کا ساماں نہ بھولیئے
بے مثل داستاں ہو تو عنواں نہ بھولیے
اِس شیوۂ ادب سے ادب زندہ باد ہے
انساں ہے وہی جسے انساں یاد ہے

انساں شناس آنکھ ہے بینائیوں کا شہر　　آباد ہے یہ شہر تو خنداں ہے باغِ دہر
کہتی ہے باغِ دہر میں فکر و نظر کی لہر　　کردار کی اجل ہے فراموشیوں کا زہر
گلشن میں جو اسیرِ گُلِ تر نہیں ہوا
وہ غربتِ شعور سے باہر نہیں ہوا

کیوں غربتِ شعور میں قیدی رہے بشر　　کیوں نقدِ شوق کے لیے مفلس بنے نظر
کیوں نقش ہو نہ بات طبیعت کی لوح پر　　لاتا ہے رنگ پھول کی مہکار کا اثر
سیرِ چمن ہو ذکر نہ آئے گلاب کا
یہ غفلتِ نظر ہے اندھیرا عذاب کا

اِس غفلتِ نظر سے اگر اِجتناب ہو　　گلزارِ زندگی پہ مکمل شباب ہو
ماضی کی ایک ایک روش کا حساب ہو　　ہر آنکھ میں گلاب بقدرِ گلاب ہو
رسوائی نظر پہ مسلط خزاں رہے
ذہنوں پہ کربلا کی ہوا گلفشاں رہے

سامانِ گلفشانیٔ پیہم یہی تو ہے　　تدبیرِ خوش نگاہیٔ عالم یہی تو ہے
فطرت کی ہر ادا پہ مقدم یہی تو ہے　　جہلِ سخن کے زخم کا مرہم یہی تو ہے
احساس کو نگاہ کی معراج دیجیے
دل ہے تو کربلا کی زمیں چوم لیجیے

جلوے سحر سحر ہیں تو محور ہے کربلا — شعبے نظر نظر ہیں تو منظر ہے کربلا
آفاق جس کا صحن ہیں وہ گھر ہے کربلا — انساں کے معجزوں کا سمندر ہے کربلا
ٹپکا وہ خونِ تشنہ لبی کے گلاب سے
صحرا میں پھول کھلنے لگے قحطِ آب سے

کہنے کو قحطِ آب ہے بربادیٔ چمن — گرمی سے راکھ ہوتے ہیں پھولوں کے پیرہن
لیکن بتا گئے ہیں شہیدانِ بے کفن — دریا ہیں تین روز سے سوکھے ہوئے دہن
تیروں کی سیج پر گلِ زہراؑ بکھر گئے
انسانیت کے باغ کو سیراب کر گئے

انسانیت کے باغ میں اب جس قدر ہیں پھول — اُن کا نصیب ناز ہے باغیچۂ بتولؑ
یہ بات مانتے ہیں زمانے کے بااصول — جس دل میں کربلا ہے اُسی دل میں ہیں رسولؐ
شانِ خطیب حُسنِ بیانی کے ساتھ ہے
قرآں تمام اپنے معانی کے ساتھ ہے

قرآں کی لازوال کہانی ہے کربلا — سب آیتوں کی ایک نشانی ہے کربلا
دریا خراج دے وہ روانی ہے کربلا — سارا زمانہ پیاس ہے پانی ہے کربلا
پیاسوں کی یاد جس کے عمل کا نظام ہے
آبِ حیات اُس کے تکلم کا نام ہے

آبِ حیات ڈھونڈنے والے اِدھر تو آئیں
جامِ شعور سے مئے وحدت بھیں پلائیں
ذوقِ نظر کو آئینہ کربلا دکھائیں
قربانِ حسین پہ خضر اسے رہنما بنائیں
خونِ رسولؐ مہر ہے پختہ یقین پر
انسان آسماں کی طرح ہے زمین پر

کردار کے شرف سے مشرف ہے زندگی
کردار ہی سے نبضِ دو عالم ہے آدمی
کردار آفتاب ہے کردار روشنی
کردار ہی کا نام ہے آبِ حیات بھی
فطرت کا انقلاب دہندہ وہی تو ہے
مرتا ہے جو حسینؑ پہ زندہ وہی تو ہے

معلوم ہو جو مقصدِ قربانیٔ حسینؑ
سینوں میں جلوہ ریز ہو تحریمِ قبلتین
ہر سمت ہو خلوص کے سجدوں کی زیب و زین
خیر العمل سے گونج اُٹھے صحنِ مشرقین
صف بستہ یوں جماعتِ ماہ و نجوم ہو
کونین میں نمازِ مودّت کی دھوم ہو

پڑھ لیجئے نمازِ مودّت کی داستاں
میزانِ ہوش ہے شبِ عاشور کا بیاں
وہ کربلا کا دشت وہ عہد آفریں جواں
خیموں میں وہ زمیں کے مصلّوں پہ آسماں
سب نورِ کردگار کا ساغر پیے ہوئے
اُترا تھا چاند اپنے ستارے لیے ہوئے

زہراؑ کا چاند اپنے ستاروں میں جلوہ گر غائب رہے جو شام پہ تا حشر وہ سحر
وہ معتمد عزیز وہ انصار معتبر گویا دل و نگاہ کی وحدت یقین پر
عالم وہ ایک ایک گُلِ لاجواب کا
مہکا ہوا تھا باغ رسالتمآب کا

وہ اقربا نہالِ رسالت کے برگ و بار معیارِ حق مظاہرِ آیاتِ کردگار
تقویٰ سرشت حمد بیاں زہد افتخار قرآں مزاج شرع نظر مصطفےٰ شعار
ہر طرح خاندانِ سیادت کی جان تھے
کہنا پڑے گا سورۂ کوثر کی شان تھے

ہر سانس میں تموجِ کوثر کا انقلاب ہر آنکھ رحمتوں کی گلابی سے فیضیاب
ہر قلب میں رسولؐ کی تہذیب کا نصاب ہر بات کے جواز میں اللہ کی کتاب
معراج پر ادائے تکلم لئے ہوئے
خوش ہوں حسینؑ ایسا تبسم لئے ہوئے

خوشنودیٔ حسینؑ سے فطرت میں روشنی ایثار کے صدف میں طبیعت ڈھلی ہوئی
احساس یہ خلوصِ وفا میں نہ ہو کمی ایمان یہ کہ دین پہ قربان زندگی
شامل تھی یوں رضائے خدا دل کے ساز میں
جیسے درودِ آلِ نبیؐ ہر نماز میں

انصار کے لبوں پہ وظیفہ درود کا یکساں مآل مجلسِ غیب و شہود کا
بے خوف اہتمام قیام و قعود کا پیشانیوں پہ نورِ حسینی سجود کا
اس طرح کر رہے تھے اطاعت امام کی
تفسیر بن گئے تھے خدا کے کلام کی

اللہ کا کلام اولی الامر کا نظام یعنی بچشمِ عدل قیادت کا اہتمام
آقا بنے گا جب بھی کوئی وقت کا غلام اُٹھ جائے گی زمانے سے تمیزِ صبح و شام
جو منصبِ امامِ زماں جانتے نہیں
وہ لوگ اپنے آپ کو پہچانتے نہیں

انسان اپنے آپ کو پہچان لے اگر عرفانِ کردگار سے غافل نہ ہو نظر
منظر میں ہوں حسینؑ کے انصار خوش سیر ایمان ہو وجودِ نبیؐ و امامؑ پر
اسلام کی تمام سعادت نصیب ہو
کوئی زہیرؑ قین ہو کوئی حبیبؑ ہو

ظرفِ زہیرؑ قین ہو یا جذبۂ حبیبؑ دونوں ہیں آج تک شبِ عاشور کے نقیب
جس وقت ایک رات کی مہلت ہوئی نصیب سب کو نبیؐ کے لال نے بلوا لیا قریب
یوں تھے حسینؑ اہلِ بصیرت کے سامنے
جیسے رسولؐ اپنی شریعت کے سامنے

صف بستہ ہو گئے جو شریعت کے سب شجر — تقدیر کی بیاض میں لکھے گئے ثمر
مستقبل جہاں نے تصدق کئے گہر — سبطِ نبیؐ نے اپنے گلستاں پہ کی نظر
دنیائے رنگ و بو کے سب اسرار کھل گئے
چھوٹے بڑے گلاب نگاہوں میں تل گئے

اپنے سدا بہار گلابوں کو تول کر — دنیا سے کہہ رہی تھی یہ مظلوم کی نظر
چھینا گیا ہے پھولوں سے پانی تو کیا ہے ڈر — برسات ہو گی اب انہیں پیاسوں کے نام پر
وہ ابرِ غم دلوں کا سمندر اٹھائے گا
ایک ایک اشک لاکھ گلستاں اگائے گا

ہر خطۂ زمیں پہ گلستانِ زندگی — غنچوں کو جب سنائے گا فرمانِ زندگی
یاد آئینگے حسینؑ کے مہمانِ زندگی — لکھینگے حق پسند تو لیانِ زندگی
دریا کو ضربِ تشنہ لبی سے ہرا دیا
پیاسوں نے سنگ و خشت کو پانی بنا دیا ۔

مانندِ سنگ و خشت ہیں دشمن تو کیا ہوا — یہ حیدری ہیں صبر و تحمل کی انتہا
کیا ہے جو بے شمار ہے لشکر یزید کا — یہ چند سرفروش ہیں دیوارِ مصطفےٰؐ
صوم و صلوٰۃ روح کی قوت کے نام ہیں
یہ لوگ اپنے اپنے عمل میں امام ہیں

یہ ہیں جنہیں امام بڑے پیار سے بلائے
یہ ہیں کہ جن کی بات خدا آشنا بنائے
یہ ہیں وہ صورتیں جنہیں قرآں گلے لگائے
یہ لوگ مسکرائیں تو اسلام مسکرائے
مقبولِ بارگاہ رسالتمآب ہیں
یہ لوگ روشنیٔ دلِ بوترابؑ ہیں

فرزندِ بوترابؑ نے خطبہ عجب دیا
حمدِ خدا کے بعد کچھ اِس طرح سے کہا
اے میرے اقربا مرے اصحابِ باوفا
تم ہو مرے تمام ارادوں کا ارتقا
پہچانتے ہو فاطمہؑ کے نورِ عین کو
اے اہلِ درد ناز ہے تم پر حسینؑ کو

تم جانتے ہو سبطِ پیمبرؐ کے دل کا درد
اس درد کے خلاف ہیں اعدائے نبرد
دنیا میں آج نبضِ عدالت ہوئی ہے سرد
یہ زندگی ہے راہِ وفا میں قدم کی گرد
قرآں و اہلبیتؑ میں ربطِ دوام ہے
اہلِ خدا پہ بیعتِ فاسق حرام ہے

فاسق یزید نحس ہے یہ جانتے ہیں سب
میں وارثِ رسولؐ خدا ہوں بفضلِ رب
کیا صاحبِ ادب کو جھکائے گا بے ادب
ذہنوں پہ جو پڑے ہیں وہ پردے اٹھیں گے اب
نوکِ سناں ہے شام ہے اور آفتاب ہے
اس رات کی سحر میں نیا انقلاب ہے

سب سے جدا ہے میرے رفیقو یہ انقلاب　　کل عصر تک ہے خلعتِ بیعت کا سِلسلہ
سب رکھ چکے ہیں خنجر و تیغ و سناں پہ آب　　کل چہرۂ حسین ہے اور خون کا خضاب
لاشے رہیں گے خاک پہ اہلِ اصول کے
تیروں کی نذر ہوں کے صحیفے بتولؑ کے

اب گلشنِ بتولؑ ہے اور آخری یہ رات　　کل رات ہو گی خاک پہ زہراؑ کی کائنات
اے غازیو یقین سے کہتا ہوں میں یہ بات　　کل برچھیوں کی ضرب ہے اور رشتۂ حیات
اب جتنی صورتیں ہیں نہ ہوں گی سحر کے بعد
نیزے ہمیں اٹھائیں گے کل دوپہر کے بعد

کل دوپہر عجیب قیامت ہے دوستو　　روئیں گے دو جہاں وہ مصیبت ہے دوستو
برچھی کی نوک دل کی حکایت ہے دوستو　　چادر میں لاش پھولوں کی صورت ہے دوستو
نقشِ وفا بنے گا جو پانی کی لہر پر
میں اپنے ہاتھ ڈھونڈنے جاؤں گا نہر پر

نہر فرات کل ہمیں ڈھونڈے گی دوستو　　ہر موج غم کی آگ پہ تڑپے گی دوستو
صحرا کی دھوپ واقعہ لکھے گی دوستو　　خیموں کی راکھ دشت میں بکھرے گی دوستو
میں کیا کہوں غریب کہاں سر چھپائیں گے
ناموس بال کھول کے پردہ بنائیں گے

اے ناصرو یہ رات ہے پردہ زمین پر
چھپتی ہے اس کے سائے میں تصویر بحر و بر
تم سب مری طرف سے ہو آزاد سر بسر
چاہو تو اختیار کرو امن کا سفر
کیوں اپنے جسم خون میں نہلاؤ دوستو
گل کر رہا ہوں شمع چلے جاؤ دوستو

بیعت کا بوجھ میں نے اُتار اخوشی سے جاؤ
چھوڑو مجھے عزیز دل کو اپنے گلے لگاؤ
آب و غذا کا لطف اُٹھا کر سکون پاؤ
اک میرا خون ہے گا تم اپنی تو جان بچاؤ
جتنے بھی فوجِ شام میں خونخوار آئے ہیں
یہ صرف میرے سر کے طلب گار آئے ہیں

سر میرا کاٹ لیں گے چلے جائیں گے یہ لوگ
تیر و سناں کسی پہ نہ برسائیں گے یہ لوگ
خیمے ہی جب نہ ہوں گے تو کیا پائیں گے یہ لوگ
گھوڑے بس ایک لاش پہ دوڑائیں گے یہ لوگ
انجام صرف پالنے والے کے ہاتھ ہے
تنہا نہیں ہوں میرا خدا میرے ساتھ ہے

اِس خطبۂ حسین پہ تڑپے خدا شناس
انگڑائی لے کے جوش میں جھومے وفا شناس
تیغوں کو تولنے لگے وہ کربلا شناس
کیا ابتدا شناس تھے کیا انتہا شناس
خورد و کلاں امام کا احساس بن گئے
سب عالمِ جلال میں عباسؑ بن گئے

بولے کمالِ ضبط میں عباسؑ ذی حشم آقا قریب ہے کہ نکل جائیں سب کے دم
اب آپ ہی بتائیے اے منبعِ کرم کیا فرقتِ حضور میں زندہ رہیں گے ہم
موجیں تو صرف اپنے سمندر کے ساتھ ہیں
ہم کلمہ گو ہیں سبطِ پیمبرؐ کے ساتھ ہیں

سرکار آپ جانِ پیمبرؐ ہیں ہم غلام مقصودِ زندگی ہے اطاعت ہمارا کام
ہر دوست ہر عزیز ہے وابستۂ امام سرکار ہی کے نام سے زندہ ہے سب کا نام
تیغوں سے فوجِ شام پہ نازل عذاب ہو
سرکار حکم دیں تو ابھی انقلاب ہو

تائیدِ انقلاب میں گویا ہوئے حبیبؑ اے کاش اذنِ جنگ اسی وقت ہو نصیب
بولے زہیر میں ہوں نبرد آزما خطیب آئے تو کوئی رستمِ شامی مرے قریب
ماضی کی زندگی کو پسِ پشت ڈال کے
لایا ہوں بحرِ عشق سے موتی نکال کے

آئینہ دارِ عشق بنِ عوسجہ کی بات الفاظ میں ڈھلی ہوئی جذبوں کی کائنات
کچھ اس ادا سے گونج اٹھا لہجۂ ثبات آنکھیں ملا کے دیکھ لے اب گردشِ حیات
ہرگز نظر نہ جائے گی دنیا کے چین پر
سو بار زندگی ہو مروں گا حسینؑ پر

یہ زندگیٔ فکر و نظر زندگی ہوئی
اس نور سے ہے بزمِ قیادت سجی ہوئی
یہ آگہی چراغ بنی روشنی ہوئی
اس آرزو سے موت میں بھی دلکشی ہوئی
سچ ہے جو آج تک یہ صدائے شعور ہے
انسان کربلا میں خدا کا غرور ہے

واللہ اس بیان پہ شاہد ہے کربلا
وحدت کا شاہکار تھا وہ مجمعِ وفا
اس طرح مطمئن ہوئے فرزندِ مصطفٰے
طے ہو گیا ہو جیسے شہادت کا مرحلہ
پیشانیوں کو چوم لیا قبلتین نے
خوش ہو گئے رسولؐ دعا دی حسینؑ نے

بانیٔ دعا چلے گئے خیموں میں جانثار
چہرے تھے اب سکون مودّت کے آبشار
باہم معانقے تو بغل گیر بار بار
سجدے کہیں تھے اور کہیں تسبیحِ کردگار
کامل مزاج دانِ فروع و اصول تھے
باغیچۂ نبیؐ میں عبادت کے پھول تھے

باغیچۂ نبیؐ میں بالآخر سحر ہوئی
یعنی وہ شب مزاج گری میں بسر ہوئی
نورِ سحر سے زینتِ قلب و نظر ہوئی
اکبرؑ اذان دینگے یہ سب کو خبر ہوئی
آمادۂ نماز جو خورد و کلاں ہوئے
ہم شکلِ مصطفٰے کی طرح دل جواں ہوئے

دینے لگے اذان جو ہم شکلِ مصطفیٰ یاد آگیا حسینؑ کو لہجہ رسولؐ کا
شاید زبانِ حال سے کہتی ہو کربلا کب اتنے تشنہ کام تھے سردارِ انبیاءؐ
بے شک یہ آبروئے رسالت مآب ہیں
اکبرؑ کے خشک ہونٹ اذاں کا شباب ہیں

تعمیلِ حکم رب کی سند یہ اذان ہے ایمان اور خلوص کی حد یہ اذان ہے
مقتل کی زد پہ ذکرِ صمد یہ اذان ہے اسلام کی نماز کا قد یہ اذان ہے
اب حشر تک سحر کی فضا خوں رُلائیگی
ہم شکل مصطفیٰ کی اذاں یاد آئیگی

یہ وہ اذان تھی جو سرِ دشت و در گئی نورِ عمل سے سینۂ تخلیق بھر گئی
ہر عہد ہر زمانے کے دل میں اتر گئی سورج رُکا یہ حد سفر سے گذر گئی
اطلاق جس جگہ پہ نہیں صبح و شام کا
ڈنکا بجا وہاں بھی محمدؐ کے نام کا

اب تک یہی اذان ہے امت کی پاسباں اب تک اِسی اذان سے اکبرؑ ہیں نوجواں
عالم جو تیرتے ہیں خلاؤں کے درمیاں سب ہیں اِسی اذان کی حقیقت کے ترجماں
جلوے سمٹ کے اپنے مدینے میں آگئے
سیارے کربلا کے سفینے میں آگئے

انساں کریں گے وقت پہ سیّارگاں کی سیر ممکن ہے اس جہاں سے ہزاروں جہاں کی سیر
بالکل نئی زمین نئے آسمان کی سیر کہدیگی خود تمام زمان و مکاں کی سیر
سرسبز ہر چمن اسی ابر کرم سے ہے
اللہ اکبر اب علی اکبرؑ کے دم سے ہے

اکبر اذاں دے چکے قائم ہوئی نماز سبطِ نبیؐ امام تو ماموم اہلِ ناز
الحمد کے سترن تھے وہ عبدِ بے نیاز اک لازوال حسنِ قیادت سے سرفراز
سجدوں سے اہلِ حق نے وہ درسِ عمل دیا
حُر کی طرح مقدرِ ہستی بدل دیا

لیکن عجب تھا عصر کو بدلا ہوا نظام ماموم سب گذر گئے تنہا ہوئے امام
باقی کوئی حبیبؑ نہ عباسؑ نیک نام اب فاطمہؑ کا لال تھا اور برچھیوں کی شام
تلواریں پڑ رہی تھیں غریب الدیار پر
خنجر برس رہے تھے محمدؐ کے پیار پر

گلزار لُٹ چکا تھا محمدؐ کے پیار کا بکھرے ہوئے گلاب تھے اور دشتِ کربلا
کرتیل جوان سحر کا موذن بھی اب نہ تھا خود بیکسی پکار رہی تھی یہ کیا ہوا
کیوں نصرتِ امام کو آتا نہیں کوئی
نرغے میں ہیں حسینؑ بچاتا نہیں کوئی

وہ اک حسینؑ اور وہ ہزاروں ستم شعار　　نیزے کہیں چلے تو کہیں پتھروں کے وار
اک تن پہ اتنے زخم کہ جن کا نہیں شمار　　ہر زخم سے وہ خونِ مقدس کا آبشار
وہ حالتِ غریب عجب دردناک تھی
چہرے پہ تازہ خون تھا ہاتھوں پہ خاک تھی

چہرے پہ تازہ خون کی سرخی نے کہدیا　　گردن میں تیر کھا چکا بے شیر مر لقا
ہاتھوں کی خاک ننھی سی تربت کا ماجرا　　جیسے ابھی چھپا ہو کلیجہ رباب کا
جھولا تھا اب وہ صورتِ نور نظر نہ تھی
اصغر پہ کیا گذر گئی ماں کو خبر نہ تھی

اصغرؑ کی یاد میں تو تڑپتی رہی رباب　　مقتل میں ذبح ہو گیا فرزندِ بوترابؑ
فضہ دہائی دے کے پکاری بہ اضطراب　　زینبؑ کہاں ہو دیکھ لو نیزے پہ آفتاب
بستی اجڑ گئی ہے مقدر الٹ گیا
چوما تھا جس گلے کو وہ خنجر سے کٹ گیا

اس خنجرِ الم سے قیامت ہوئی بپا　　زینبؑ گریں زمیں پہ ہلی ارضِ کربلا
کلثوم کو غش آیا سکینہ کا دم رکا　　ذہنِ رباب میں علی اصغر نہیں رہا
حالات ذوالجناح نے آکر سنائے تھے
اب سر نظر میں شامِ غریباں کے سائے تھے

کس طرح آئی شامِ غریباں نہ پوچھیے — تاراجیٔ خیام کا طوفاں نہ پوچھیے
سیدانیوں کا حالِ پریشاں نہ پوچھیے — مجبور آنسوؤں کا چراغاں نہ پوچھیے
خاموشیوں کے لب پہ غضب کی دہائی تھی
زنجیر کے تڑپنے کی آواز آئی تھی

زنجیر میں حسینؑ کا سجادِ ناتواں — جس کا وجود قوتِ صبرِ پیمبراں
جس نے اٹھایا سب سے بڑا بارِ امتحاں — مظلومیت کی فتح بنیں جس کی بیڑیاں
خیموں کی گرم راکھ پہ سجدے بچھا دیئے
شعلوں میں جس نے حمد کے گلشن اُگا دیئے

ایسا نظامِ حمد تو دیکھا نہیں کہیں — اس انفرادیت کا مصلّیٰ نہیں کہیں
یوں کوئی غم کی آگ سے گذرا نہیں کہیں — یہ ضبط اور یہ حوصلہ ملتا نہیں کہیں
دُرّوں کا زخم شکر کے مرہم سے بھر دیا
ہتھکڑیوں کو جہاد کی میزان کر دیا

شاید کہا ہو ہاتھوں کی ہتھکڑیاں چوم کر — بابا نیا جہاد ہے اور آپ کا پسر
گردن میں طوق ڈال گئی فوجِ بدسیر — سب اہلبیتؑ سر کھلے بیٹھے ہیں خاک پر
ممکن نہیں کہ یوں بھی کوئی دل حزیں رہے
اب تو پھوپھی کی آنکھوں میں آنسو نہیں رہے

بابا پھوپھی کا چہرۂ اقدس تو دیکھئے
کیا متصل ہیں شیر خدا کے جلال سے
گرد قدم بنے ہیں مصائب کے مرحلے
کیا ہمتیں ہیں شام غریباں کو دیکھ کے
دل مطمئن ہے آپ کے ایقان کی طرح
میدان میں کھڑی ہیں چچا جان کی طرح

دیکھیں یہ طرز جنگ بھی دیکھیں مرے چچا
بر بادیوں کی تیغ سے کاٹی ہے ہر جفا
میں قید میں ہوں ثانیٔ زہراؑ ہیں بے ردا
کیا کربلا کی روح نہیں ہے یہ معرکہ
بنتِ نبیؐ کا صبر نگہبان ہو گیا
اب شام کا محاذ بھی آسان ہو گیا

قیصرؔ محاذ شام کی تفصیل کیا لکھوں
ہر لمحہ انتہائے غم کربلا لکھوں
زینبؑ کا نام عزتِ دینِ خدا لکھوں
سجادؑ کو حسینؑ کا مشکل کشا لکھوں
خطبے نہ دیتے گر یہ نگہبانِ کربلا
چھپ جاتے کربلا میں شہیدانِ کربلا

علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؐ

عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن
حسنِ باطن سے مرصّع ہیں براہینِ سخن
روح کا آئینہ ہے جلوۂ تمکینِ سخن
دل کے دو حرف ہیں سو رنگ سے آئینِ سخن
گفتگو گلشنِ تطہیر سے وابستہ ہے
مرثیہ جنّتِ احساس کا گلدستہ ہے

نعمتِ شاعری کردار کی پائندہ بہار
اِسی نعمت سے ہے فطرت کے گلوں کی مہکار
لفظ باندھے ہیں تخیّل کی سُنہری دستار
جس طرح چاند کی آنکھوں میں ہو سورج کا خمار
شوقِ مدحت جو خیالات کے در کھولتا ہے
مرثیہ بُلبُلِ سدرہ کی طرح بولتا ہے

ذہن کی شاخ پہ کھِل جاتے ہیں اکثر وہ گلاب
ڈھونڈنے نکلوں چمن میں تو ملے صاف جواب
کبھی پڑھتا ہوں تصوّر میں وہ خوشبو کا نصاب
جس کی تعظیم کرے گلشنِ رضواں کا شباب
صحنِ تخلیق میں ہر لمحہ قلم کاری ہے
مرثیہ غیب کے سورج کی ضیا باری ہے

کون روکے گا نئی فکر کے سورج کا سفر شہر بستا ہے تو بنتی ہے نئی راہگذر
ہر زمانے میں ہے ابلاغ کا انداز دگر قیدئ وقت نہیں خونِ شہیداں کا اثر
حشر تک راہِ تمدن کا سفر حاصل ہے
مرثیہ قافلۂ حال کا مستقبل ہے

ان گنت فاصلے اس عالمِ رفتار میں ہیں جتنی صدیاں ہیں وہ اس حلقۂ افکار میں ہیں
انقلاباتِ جہاں پنجۂ کردار میں ہیں جتنے جوہر ہیں اسی فکر کی تلوار میں ہیں
فرقِ ظالم پہ یہ تلوار بہت کاری ہے
مرثیہ جذبۂ مظلوم کی بیداری ہے

گیسوئے دہر میں تخریب کے خم کچھ بھی نہیں جبر کے آتشِ سیال قدم کچھ بھی نہیں
حق فراموش زمانے کا قلم کچھ بھی نہیں حکمراں کچھ بھی نہیں ان کے ستم کچھ بھی نہیں
کربلا جس کی بلندی ہے وہ مینارہ ہے
مرثیہ سب سے بڑی فتح کا نقّارہ ہے

اُف یہ آسیبِ زمانہ کے بھیانک خد و خال قوتِ غیب نہ حاصل ہو تو جینا ہے محال
فن کی توہین قلمکار کی حرمت پامال ایسے ماحول میں زندہ ہے فقط ایک خیال
ظلمتِ شام گذرنے کی خبر ہوتی ہے
مرثیہ کہتا ہے کوئی تو سحر ہوتی ہے

وہ لکیریں بھی جو بے ربط نظر آتی ہیں — اک مصوّر کی نگاہوں میں جگہ پاتی ہیں
خواب مرجھاتے ہیں بیداریاں لہراتی ہیں — مشکلیں نادِ علیؑ سُن کے گزر جاتی ہیں
ایک نقطے کو سمجھنا بڑی دانائی ہے
مرثیہ غیب کا معصوم تماشائی ہے

بحرِ ذخّار ہے غوّاص کو ملتے ہیں گہر — ذوقِ ایجاد سے موجد ہوئے اربابِ ہُنر
تجربہ صنعتِ آئندہ کی دیتا ہے خبر — طائرِ فکر کی رفتار ہے رفتارِ نظر
کون سی روشنی آفاق میں موجود نہیں
مرثیہ وسعتِ اسلام ہے محدود نہیں

کم ہو اسلام کی وسعت یہ تصوّر ہے گناہ — مرثیہ سلطنت الفاظ و معانی ہیں سپاہ
گرمیٔ عزم پہ عاشور کے پیاسے ہیں گواہ — سامنے لاکھ ہمالہ ہوں نکل آتی ہے راہ
مطمئن ہوں کسی مشکل سے کہاں ڈرتا ہوں
میں تو جبریلؑ کے اُستاد کا دم بھرتا ہوں

میری منزل ہے شہنشاہِ رُسُل کا دربار — علم کے شہر کا در ہے مرے سجدوں کی بہار
پست ہو سکتا نہیں مدح کی صہبا کا خمار — جذبۂ بوذرؓ و سلمانؓ ہے طلب کا معیار
نئی دنیا میں نئی صبح کا سودائی ہوں
ساقیٔ غیب سے پینے کا تمنائی ہوں

رودِ کوثر کی طرح میری طبیعت کا سروش زندگی تازہ کرے بحرِ مودّت میں وہ جوش
میری وارفتگی مشہور ہے پیمانۂ ہوش مجھے کہتے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ کا مے نوش
پردۂ اشک جو پلکوں پہ ٹھہر جاتا ہے
سامنے بولتا قرآن نظر آتا ہے

میرے ممدوح نے بخشے ہیں وہ نایاب سخن آگ حاسد کو لگے رشک کریں صاحبِ فن
غیب کے عطر سے ملبوس ہیں لفظوں کے بدن جس طرح پھولوں میں خوشبو ہو سرِ صحنِ چمن
ایسے موتی ہیں مری فکر کے گنجینے میں
روشنی دیکھتا ہوں غیب کے آئینے میں

غیب کیا چیز ہے کچھ اسکی وضاحت کردوں اِک حقیقت ہے جسے تشنۂ اظہار کہوں
ذہن میں آنے سے پہلے متحرک مضمون اِک عبارت پسِ پردہ ہے جسے پڑھ نہ سکوں
بات آسان ہوئی حسنِ تصرّف کے لئے
غیب وہ خواب جو تعبیر ہے یوسفؑ کے لئے

غیب اک منزلِ نادیدہ اِک انجامِ سفر غیب ہے منظرِ خوش رنگ کا اِک پس منظر
غیب زخموں سے بھرے جسم پہ مرہم کا اثر غیب ہے قافلۂ شام کو پیغامِ سحر
کتنا دلکش یہ اشارہ ہے ادیبوں کے لئے
غیب فردوسِ محبت ہے شہیدوں کے لئے

اصل میں غیب کی آواز ہے آوازِ شہود
غیب داماںِ عدم میں ہے پہ اندازِ وجود
جھومتی شاخ پہ یہ جھولتے پھولوں کی نمود
بزمِ ادراک میں ہے غیب کی صہبائے درود
چشمِ شاعر میں تماشہ گہہ جبریلؑ بھی ہے
غیب انسان کے ایمان کی تکمیل بھی ہے

یہ تخیل بھی مجھے غیب کے معنی سے ملا
غیب کی بادِ بہاری ہے گلستاں کی ہوا
آسماں سر پہ جو باندھے ہے سنہری سہرا
غیب کے نور کی آفاق نے پہنی ہے قبا
بادِ نکہت جو سرِ صحنِ چمن آتی ہے
حجلۂ غیب سے معصوم دلہن آتی ہے

غیب مخلوق ہے اس میں تو نہیں کوئی کلام
یہ الگ بات کہ دنیا سے الگ ہے یہ نظام
مل گئی ذوقِ طلب سے خبرِ خوش انجام
اے سخنور ترے آقا نے دیا ہے یہ پیام
میرے اللہ کی قدرت میں کوئی ریب نہیں
خالقِ غیب ہے وہ اس کے لئے غیب نہیں

حریت آئینہ حلقے بھی ہیں زنجیروں میں
خواب کے سلسلے موجود ہیں تعبیروں میں
سانس لیتے ہیں مفاہیم جو تحریروں میں
جان پڑ جاتی ہے الفاظ کی تصویروں میں
سوزِ پنہاں سے تعلق جو نہیں ساز نہیں
روح انگڑائیاں لیتی ہے یہ آواز نہیں

وہ جو اللہ کی قدرت سے ہیں خلقت میں علیم
منکشف اُن کے لئے غیب کا گلزارِ عظیم
چشمِ حق میں ہیں وہی دل کی عبارت کے فہیم
جن کے اوصاف کا، اعلان ہے قرآنِ کریم
مسندِ فرش پہ جو عرش مکاں ہوتے ہیں
اُن کے سینوں میں سماوات نہاں ہوتے ہیں

ایسے بندے ہیں خدائی میں خدا کی آیات
جن کے اعمال کا صدقہ ہے زمانے کی نجات
رمزِ کوثر ہے فقط ایسے ہی افراد کی ذات
جن کے قدموں سے ملے سلسلۂ بعدِ حیات
رازِ پائندگی جس منزلِ بیدار میں ہے
وسعتِ غیب اُسی محفلِ اذکار میں ہے

غیب کا علم ہے مخلوق پہ خالق کی عطا
اِس عطا سے ہے بشر واقفِ اسرارِ خدا
جس کو اللہ نے بخشی ہو نیابت کی قبا
بزمِ ہستی میں اُسے غیب کا عرفان ملا
علمِ حق چاہئے تکمیلِ ہدایت کے لئے
غیب کا علم مقدم ہے خلافت کے لئے

وہ خلافت جسے مقدور نبوّت کا لباس
وہ نبوّت جسے مقسوم امامت کا لباس
خاص منصب کی ادا خاص مشیّت کا لباس
وہ امامت جسے حاصل ہو رسالت کا لباس
غیب اُس کے لئے وہ غیب کی دولت کے لئے
ہر فضیلت ہے نمائندۂ وحدت کے لئے

آیتیں کہتی ہیں کُل علم کا خالق ہے خدا — اس حقیقت کو جو دیکھا تو عجب راز کھلا
علمِ خالق کے تعین کا تصوّر نہ رہا — "عالم الغیب" میں پھر کیوں اسے محدود کیا
ایسے الفاظ فقط مصلحتاً آئے ہیں
عقلِ محدود کو سمجھانے کے پیرائے ہیں

خضرؑ و موسیٰؑ کا سفر قصۂ آیاتِ مبیں — روزِ روشن کی طرح واقعۂ دانش و دیں
غیب کی جلوہ گری علم کی تصویرِ حسیں — مسئلہ کچھ بھی نہیں شرط ہے قرآں پہ یقیں
واقعہ مظہرِ آیات کی پہچان بھی ہے
چشمِ انساں کے لئے غیب کا عرفان بھی ہے

خضرؑ نے خون کیا دیدۂ موسیٰؑ حیراں — فعلِ معصوم پہ عصمت کا سراپا حیراں
بازوئے نور سے ملکر یدِ بیضا حیراں — جرم سے پہلے سزا شرع کی دنیا حیراں
مجھ سے بے علم نے اس راز کو یوں سمجھا ہے
عالمِ غیب، شریعت کو بدل سکتا ہے

عالمِ غیب شریعت کے دبستاں کا امیر — ورنہ معصوم بھی کہلائے رہینِ تعزیر
معترض آج بھی ہیں خوابِ زمانہ کے اسیر — بے خبر ڈالتے ہیں پائے نبیؐ میں زنجیر
غیب کا علم اگر حاصلِ گفتار نہ ہو
کوئی قرآں کی صداقت کا طرفدار نہ ہو

خضرؑ کے سینے میں دیوار کی تعمیر کا راز
دلِ موسیٰؑ کی طلب وقت کی محنت کا جواز
شرع کی آنکھ میں بے کیف ہے بے وقت نماز
غیب کا علم بہر حال دمِ ناز و نیاز
شرع تقدیر بنانے کا بہانہ بخشے
غیب کا علم یتیموں کو خزانہ بخشے

ہر نبیؑ اپنے زمانے میں ہے سب سے افضل
وسعتِ فکر پہ غالب ہے نبوت کا عمل
سامنے غرۂ لشکر ہو کہ دولت کے محل
غیر ممکن ہے پیمبر کے ارادوں میں خلل
علم کے پھول کی مہکار جواں رہتی ہے
قدرتِ غیب زمانے پہ عیاں رہتی ہے

لفظ و معنی سے مبرّا ہے خدا کی تعریف
فکر محدود ہے ممکن نہیں حدِّ توصیف
ذکرِ اللہ توانا ہے زبانیں ہیں ضعیف
ایسی منزل پہ طبیعت کا اشارہ ہے لطیف
حسن شہکار سے دل حقِ لقیں پاتا ہے
نورِ احمد محمّدؐ میں نظر آتا ہے

عالمِ غیب ہے اللہ کے محبوب کی ذات
دونوں عالم پہ مقدّم ہے اسی نور کی بات
غور سے دیکھئے قرآن کی مقدّس آیات
اپنے شہکار کو بخشی ہیں مصوّر نے صفات
خالقِ غیب نے یہ بات بھی سمجھائی ہے
نقصِ تحریر قلمکار کی رسوائی ہے

ایک مرکز پہ ہو جب سارے بنیتوں کا کمال — حدِ معراج دکھاتا ہے مشیت کا نہال
غیب پر احمدؐ مختار سے دنیا کے سوال — وہ جوابِ شہِ کونین یہ اندازِ جلال
نقشۂ خلد و سقر سامنے لا سکتا ہوں
میں ابھی عالمِ انجام دکھا سکتا ہوں

سوچئے عالمِ انجام پہ قادر ہو جو ذات — غالب آئیں نہ کبھی جس کے یقیں پر شبہات
جس کی ہر بات پہ شاہد ہو نزولِ آیات — جس پہ ہر وقت عیاں خلد و سقر کے حالات
جس کی دانش میں کوئی منزل دشوار نہیں
کیا اُسے غیب کی دنیا سے سروکار نہیں

جس کا سینہ ہو تجلائے احد سے معمور — وہ تو آلائشِ دنیا سے بہر حال ہے دور
لوگ اِقرأ کی وضاحت میں جو کرتے ہیں قصور — ان کو معلوم نہیں حُسنِ سخن کا دستور
آئے جبریلِ امیں مصحفِ لاریب کھُلا
نامِ اللہ سے احمدؐ پہ درِ غیب کھُلا

چاک ہو سینۂ محبوب یہ گفتار غلط — دستِ جبریلؑ کرے صاف یہ کردار غلط
پیکرِ نور میں عصیاں ہو یہ معیار غلط — روحِ اسلام ہو ماضی میں خطا کار غلط
حق نے یہ نور چنا عرش کی مسند کے لئے
غیب سے حلّۂ عصمت ہے محمدؐ کے لئے

نب کے علم پہ معراج ہے مضبوط دلیل — اس حقیقت سے بہت دور ہے زنگِ تاویل
حنِ کونین پہ چھائی تھی نظر کی قندیل — مطمئن احمدِ مرسلؐ متحیر جبریلؑ
منزلِ غیب پہ اللہ کا مہمان گیا
جہاں جبریلؑ نہ جائے وہاں انسان گیا

افلاک محمدؐ کو ہے تسلیم ہوا — قصرِ تخلیق کا ہر نقش نبیؐ نے دیکھا
حِ محفوظ پہ لکھا ہوا دل میں اترا — یا بجز پردۂ وحدت کوئی پردہ نہ رہا
غیب و حاضر کے لئے راہنمائی دے دی
اپنے محبوب کو خالق نے خدائی دے دی

قرآں پہ محیط احمدِ مختار کا دل — یعنی ایوانِ ازل میں وہ ابد کی منزل
س حقیقت کا اگر کوئی نہیں ہے قائل — پھر تو قرآن کہاں اور کہاں مستقبل
جس کا دل وسعتِ قرآں کے لئے گھر ہوگا
عالمِ غیب کا اطلاق اُسی پر ہوگا

سدِ فکر پہ شاہد ہے خدا کا پیغام — دیکھئے لہجۂ قرآں میں تخاطب کا نظام
ر حرفوں میں وہ ناقابلِ تفسیر کلام — سر جھکاتا ہے زمانے کا غرورِ افہام
عبد و معبود میں کیا راز ہے معلوم نہیں
گفتگو غیب میں ہے منزلِ مفہوم نہیں

کہیں طٰہٰ کہیں یٰسین کہیں حٰم کا تاج — عقل و دانش کی ریاست جسے دیتی ہے خراج
اس بلندی پہ جہاں فکر و نظر ہوں محتاج — لطفِ غیب نے رکھ لی مرے افکار کی لاج
بات پردے کی ہے کیوں اور کسی سے پوچھو
غیب کا علم نبیؐ کو ہے نبیؐ سے پوچھو

چشم تاریخ میں روشن ہے پیمبرؐ کا عمل — بیبیاں اور بھی تھیں پاک نفس پاک آنچل
دیکھ کر چشمۂ محضر میں شہادت کا کنول — اُمِ سلمیٰؓ کو امانت ہوئی خاکِ مقتل
علم تھا صرف یہی اشکوں سے منہ دھوئینگی
اُمِ سلمیٰؓ تو بھرے گھر کے لئے روئینگی

حسبِ منصب جو نبیوںؑ کو ملا علمِ غیاب — کس طرح کیجیے سب سے بڑے منصب کا حساب
کیسے خاموش رہوں شاہدِ غیبی ہے کتاب — کوئی پیدا تو کرے علمِ محمدؐ کا جواب
لوگ کیوں عقل کو بیگانۂ حالات کریں
علم کے شہر کا در دیکھ لیں پھر بات کریں

علم کے شہر کا در شہر کی عظمت کا نقیب — جیسے اسلام ہر انداز سے وحدت کا نقیب
علم کے شہر کا در شہر کی وسعت کا نقیب — جیسے قرآن محمدؐ کی رسالت کا نقیب
طالب دید ہے کوئی تو سنبھل کر آئے
شہر سے جس کو محبت ہے وہ در پر آئے

علم کے شہر کا در نام ہے جس کا حیدرؑ — نورِ اوّل کی تجلّی کا مکمل مظہر
وہ نظر جس کو زمانہ کہے معراجِ نظر — چہرۂ نفسِ نبیؐ دیکھ کے دیتی ہے خبر
غیب کی لوح کا ہر نقش اُبھر آیا ہے
علم انسان کے پیکر میں اُتر آیا ہے

علم کا میں ہوں مدینہ تو علیؑ اسکا ہے در — اِس بلاغت پہ فدا ہے بخدا عقلِ بشر
سمجھیں اسرار حدیثِ نبویؐ اہلِ نظر — غیب کا علم بیاں بھی ہے یہ اندازِ سحر
شہر کے ماننے والے یہ سبق پاتے ہیں
ایک دروازے میں کونین نظر آتے ہیں

معنیٔ لفظِ مدینہ پہ کیا میں نے جو غور — طائرِ عقل نے مژدہ یہ سُنایا فی الفور
بے خبر دامنِ معنیٰ میں ہے وسعت کچھ اور — سب طریقے ہوئے پُر نور نظر آئے وہ طور
نسبتِ ذات مدینہ سے جو دی جاتی ہے
کائنات ایک سفینے میں نظر آتی ہے

طالبِ حق ہے جو انسان وہ در در نہ پھرے — مسجدِ کوفہ میں اِک منفرد آواز سُنے
ایک دعویٰ سرِ منبر ہے زمانہ دیکھے — مثلِ آئینہ ہیں آنکھوں میں سما دی رستے
ماہ و خورشید سرِ موجِ نظر بہتے ہیں
عالمِ غیب کے رہبر کو علیؑ کہتے ہیں

بات اسرارِ سلونی پہ جو آ پہنچی ہے — شاہدِ عقل کو اِک اور سند ملتی ہے
جس کے عرفان کی تصدیق نبیؐ نے کی ہے — اُس کے ہونٹوں پہ سلونی کی صدا گونجی ہے
غیب کیوں اُس کے لئے عالمِ تجہیل بنے
جس کے نائب کی نظر قائدِ جبریلؑ بنے

جنگِ صفین میں اسلام کے لشکر کی وہ پیاس — دھوپ اور جلتی ہوئی ریت سے ابطالِ حواس
حالتِ روح شکن موت کی مضبوط اساس — دستِ قدرت سے وہاں اک نئے چشمے کا نکاس
رحمتِ حق کا نظارہ بہ روانی دیکھا
شیشۂ غیب میں حیدرؑ نے وہ پانی دیکھا

حق نظر زندگیٔ میثم تمار پہ پڑھیں — عشق ہے جس کی عبادت وہ قلمکار پڑھیں
غور سے تذکرۂ حیدرؑ کرار پڑھیں — غیب کا علم جسے کہنے وہ کردار پڑھیں
ارضِ کوفہ نے اِک ایسا بھی شجر دیکھا ہے
جس کی شاخوں نے مودّت کا ثمر دیکھا ہے

کاشفِ غیب کی مستقبلِ میثم پہ نظر — وہ شہادت سے بہت پہلے شہادت کی خبر
کروٹ لی وقت نے بس آگیا خونیں منظر — کہہ گیا دار پہ ایمان و وفا کا پیکر
بولتے علم کے ہر لفظ پہ توثیق ہوئی
غیب پر قبضۂ حیدرؑ ہے یہ تصدیق ہوئی

ہم اگر عالمِ تاریخ کا منظر دیکھیں　　روشنی ملتی ہے اولادِ پیمبرؐ سے ہمیں
طشت میں لعل و گہر آبِ وضو کی بوندیں　　منظرِ غیب پہ سجادؑ کی محکم نظریں
رازِ مہمال جو محمدؐ کے پسر نے پایا
غیب کا واقعہ اربابِ نظر نے پایا

پردۂ وقت پہ اب تک ہے یہ اعجاز عیاں　　واقفِ درد پہ ہے درد کا انداز عیاں
سازِ انصاف پہ ہے سوزِ جہاں ساز عیاں　　ہر بصیرت پہ ہے مظلوم کی آواز عیاں
روزِ عاشور جو تسبیح شفق ہوتی ہے
غیب کے آئنے میں رویتِ حق ہوتی ہے

واقعات اور بھی ملتے ہیں کہاں تک لکھوں　　اہلِ فن کے لئے کافی ہیں مدلّل مضموں
وقت کہتا ہے طبیعت کی طنابیں کھینچوں　　غم کی تاکید ہے تمہید کو اب طول نہ دوں
بارشِ دردِ مصائب کی گھٹا لاتی ہے
پردۂ غیب سے رونے کی صدا آتی ہے

سوگواروں کے مچلتے ہوئے اشکوں کی قسم　　مرشدِ غیب سے لاتا ہے نئے گوہرِ غم
دیکھ کر ماہِ محرم میں حسینی پرچم　　ہر عزادار تڑپتا ہے برائے ماتم
لوگ ہر سمت سیہ پوش نظر آتے ہیں
قبرِ زہراؑ پہ تصور میں پہنچ جاتے ہیں

یاد آیا ہے محمدؐ کے نواسے کا سفر وہ مدینے کی فضاؤں میں قیامت کی خبر
قیدئ رنج و الم رحمتِ کونین کا گھر وہ خزاں بار ہوا وہ چمنِ خیرِ بشر
حکم حاکم تھا محمد کی شریعت نہ رہے
گیت باقی رہیں قرآں کی تلاوت نہ رہے

دین پر فرض جو تھا فتنۂ بیعت کا جواب ہجرۂ غیب میں گویا ہوئی وحدت کی کتاب
اے حسینؓ اے شہ مرداں کی شجاعت کے شباب اب ترے ہاتھ ہے اسلام کی عظمت کا نصاب
سینۂ صبح میں صہبائے محبت بھر دے
شام اُبھری ہے شہادت سے اُجالا کر دے

گفتگو مصحفِ قدرت سے ہوئی بالتفصیل پائی آغاز میں انجام کی روشن قندیل
جادۂ عزم پہ اللہ رے اُجالوں کی سبیل کہہ گیا کان میں بچپن کا شناسا جبریلؑ
حاملِ علمِ خداوند ہو پہچانتا ہوں
تم نے چُوسی ہے محمدؐ کی زباں جانتا ہوں

بخدا نورِ بصیرت کا تقاضہ تھا یہی مقتلِ آلِ محمد نہ بنے شہرِ نبیؐ
گردشِ وقت پہ غالب تھے حسینؓ ابنِ علیؑ صبر کی تیغ کو بوسہ دیا تکبیر کہی
جس سے باقی رہے اسلام وہ سامان کیا
یا علیؑ کہہ کے اُٹھے کوچ کا اعلان کیا

اپنے عباسؑ کے شانے پہ رکھا دستِ کرم پیار سے اتنا کہا اے مرے تابندہ چشم
اب یہی امرِ مشیت ہے مشیت کی قسم راہِ غربت پہ چلیں احمدِ مرسلؐ کے حرم
دُور پردیس میں صحرا کو بسانا ہوگا
اب ہمیں قبرِ نبیؐ چھوڑ کے جانا ہوگا

اے مرے قوت بازو مرے بھائی مرے شیر بنی ہاشم کے قمر حیدری سادنت دلیر
تم بہرحال نہ ہو گردشِ تقدیر سے زیر مرضیٔ حق ہے سفر میں تو مناسب نہیں دیر
باندھ لیں رختِ سفر سب کو خبردار کرو
ساتھ جائیں گے حرم محملیں تیار کرو

بعد اس کے جو گئے خانۂ اقدس میں امام قافلے والوں کی فہرست ہوئی سرانجام
جب سُنائے گئے فہرست میں لکھے ہوئے نام آہ صغراؑ نے بھری اور کیا اس طرح کلام
سارا گھر آپ کے ہمراہ چلا ہے بابا
ایک میں رہ گئی کیا میری خطا ہے بابا

مجھکو بیمار سمجھتے ہیں مسیحائے جہاں سب یہ کہتے ہیں کہ صغراؑ میں کہاں تاب و تواں
سر جھکائے ہوئے خاموش کھڑی ہیں اماں ایسا لگتا ہے فقط میں ہوں بھرے گھر پہ گراں
کس کو احساس ہے تنہائی میں گھبراؤں گی
میں اکیلی در و دیوار سے ٹکراؤں گی

صورتِ خادمہ جاؤں گی مجھے لے چلیئے
ہاتھ فضہ کا بٹاؤں گی مجھے لے چلیئے
میں کسی کو نہ ستاؤں گی مجھے لے چلیئے
منہ سکینہ کا دُھلاؤں گی مجھے لے چلیئے
جسے کہتے ہیں دوا نام نہ لوں گی بابا
لوریاں آپ کے معصوم کو دوں گی بابا

سُن کے بیٹی کی زباں سے یہ غم انگیز سخن
رو دیئے منظرِ انجام پہ سُلطانِ زمن
کہا اے لاڈلی حاصل ہے تجھے ارضِ وطن
دشتِ غربت کے مسافر ہیں مرے غنچہ دہن
مسکراہٹ کے نئے پھول چُنیں گے اصغرؑ
لوریاں باپ کے ہاتھوں پہ سُنینگے اصغرؑ

دل قوی چاہیئے اے میرے چمن کی خوشبو
عزم و ہمت میں کبھی فرق نہ آئے سرِ مُو
فرض ہے سب کے لئے دیکھ کے زخموں کا رفو
منہ سکینہؑ کا دُھلائینگے سفر کے آنسو
جب طبیعت کو پریشان سا پانا صغراؑ
اپنی دادی کی لحد پر چلی جانا صغراؑ

گفتگو ختم ہوئی سیدِ ابرار چلے
اپنی منزل کی طرف دین کے غمخوار چلے
مثلِ عباسؑ عزیزانِ وفادار چلے
شامل قافلہ سب پیکرِ ایثار چلے
محملوں میں حرم سیدِ ذیشان آئے
یوں سمجھ لیجئے جزدانوں میں قرآن آئے

دل جو تڑپا تو محمدؐ حنفیہ نے کہا　　　اے چراغِ نبویؐ نورِ نگاہِ زہراؑ
آپ کو زیب ہے دستارِ امامت بخدا　　　ایک ادنیٰ سی گذارش ہے تقاضہ دل کا
وقت دشمن ہے مصیبت پہ مصیبت ہوگی
ساتھ سیدانیاں جائینگی تو زحمت ہوگی

آپ جاہیں تو مدینے میں رہیں اہلِ حرم　　　اپنے ہمراہ جوانوں کو رکھیں شاہِ اُمم
آگ پر چلنے کی مانند ہے ایک ایک قدم　　　چھوٹے بچوں سے نہ اُٹھیں گے مسافت کے الم
پھول ہیں دھوپ سے کمھلا کے بکھر جائینگے
آندھیاں دیکھ کے معصوم تو مرجائینگے

شہ نے فرمایا یہ تشویش دِگر ہے بھائی　　　آپ کا مشورہ اُلفت کا اثر ہے بھائی
اب تو اسلام کا حق پیشِ نظر ہے بھائی　　　یہ سفر راہِ مشیّت کا سفر ہے بھائی
میری نظروں سے جہاں دفترِ مقسوم نہیں
میں کہاں جاؤں گا یہ آپ کو معلوم نہیں

چھوٹے بچوں کا تصور جو ہوا پیشِ نظر　　　دل ہی دل میں یہ کہا کیسے بتاؤں یہ خبر
ساری دنیا کو ہلا دیں گے مرے لختِ جگر　　　مسکرا ئینگے یہی پھول تو ٹوٹینگے تبر
مدح خواں فاتحِ خیبر کی جوانی ہوگی
تا قیامت مرے بچوں کی کہانی ہوگی

کوئی کیا جانے کہاں دن تو کہاں رات آئے
کس کو معلوم سرِ دل پہ ہیں قضا کے سائے
کوئی کیا جانے کہاں کوئی طمانچے کھائے
کس کو معلوم کہاں کوئی مسافر جائے
قید خانوں میں بھی سیدانیاں کب سوئینگی
آندھیاں چادرِ زینبؑ کے لئے روئینگی

قافلہ تیز ہوا منزلیں طے ہونے لگیں
مشکلیں ہمتِ شبیرؑ کے قدموں پہ جھکیں
ارضِ کعبہ پہ رُکے حُرمتِ کعبہ کے امیں
آگئے باندھ کے احرام وہاں دشمنِ دیں
حج کو عمرہ سے بدل کر شہ ابرار چلے
سوئے کوفہ پسرِ احمدِ مختار چلے

داغِ دل ہو گیا مسلم کی شہادت کا اثر
سر جھکائے ہوئے روتے تھے شہِ جن و بشر
پوچھ لی زوجۂ مسلم نے جو بچوں کی خبر
شہ نے فرمایا خدا صبر دے اے خستہ جگر
جعفری باغ کے پھولوں پہ خزاں آئی ہے
اب یتیموں پہ مصیبت کی گھٹا چھائی ہے

بیٹیاں مسلمِ جانباز کی سنتی تھیں یہ بات
جوڑ کر ہاتھ کہا یا شہِ عالی دَرَجات
عالمِ غیب ہے کونین میں سرکار کی ذات
ہمیں آنکھوں سے دکھا دیجئے وہ غمگیں حالات
دیکھ کر بھائیوں کو غم کی عبادت کر لیں
ہم بھی پردیس میں بابا کی زیارت کر لیں

شہ نے فرمایا اِسی ارمان پہ مامور ہو شار　　دیکھ لو سامنے ہے اب وہ ستم کا بازار
باپ کی لاش پہ موجود ہے گلیوں کا غبار　　درِ کوفہ میں مرے بھائی کے سر کی ہے پکار
سُرخرو فاطمہؑ کے لال کا شیدائی ہے
بے کفن لاش نہیں دین کی سچائی ہے

اپنی موجوں پہ جو دریا نے اُٹھائے ہیں گُلاب　　وہ مرے بھانجے ہیں وہ مرے دُرِّ نایاب
پیاسے پھولوں کی شہادت پہ ہے پانی بے تاب　　ماں جو نزدیک نہیں آگیا دریا کو حجاب
وہ جو تلوار سے خون پونچھ رہا ہے ظالم
میرے معصوموں کے سر کاٹ چکا ہے ظالم

یہ مصیبت کے مناظر جو نظر سے گزرے　　دیکھنے والے تڑپنے لگے بے ہوش ہوئے
کیا عجب ثانیِ زہراؑ نے یہ جملے ہوں کہے　　بھائی مسلم ترے احسان پہ زینبؑ صدقے
پیار سے خُلد میں نانا نے بُلایا ہوگا
مرے بابا نے کلیجے سے لگایا ہوگا

کیا عجب ایسے میں عباسؑ جری نیک انجام　　اپنی ماںجائی کو آنکھوں سے یہ دیتے ہوں پیام!
لُٹ گئی میری بہن اِس میں نہیں کوئی کلام　　ضبط لازم ہے کہ آئے نہ وفا پر الزام
شدتِ غم میں اگر کوئی شکایت ہوگی
تیرے ماںجائے کو آقا سے خجالت ہوگی

کیا عجب ہے کہ بہن سے بھی ملا ہو یہ جواب
مجھے معلوم ہیں تسلیم و رضا کے آداب
دل جو رو دیا ہے تو آنکھیں بھی ہوئی ہیں پُرآب
مُسکرائے مرے بھائی کی وفاؤں کا شباب
غم کے طوفان ہیں کیا چیز یہ دُنیا کیا ہے
سایۂ حضرتِ زینبؑ ہے تو پروا کیا ہے

تھم گئے اشک بڑھا قافلہ منزل آئی
کربلا جادۂ تسلیم کی حد کہلائی
بند پانی ہوا تاریخِ عرب شرمائی
شب عاشور ستاروں پہ اُداسی چھائی
صبح کے خوف سے ہر ذرہ زمیں پر رو دیا
چاند خیموں کی طنابوں سے لپٹ کر رو دیا

جانبِ دشت بڑے غور سے دیکھا شہ نے
کسی منزل پہ نشانِ تیغ سے کھینچا شہ نے
کبھی اشکوں سے کسی خاک کو چوما شہ نے
کہیں کانٹا نظر آیا تو اُٹھایا شہ نے
برچھیاں آنکھوں میں لہرا گئیں پہلو دیکھے
اپنا سینہ کبھی دیکھا کبھی بازو دیکھے

سائے کی طرح یہ کچھ انصار تھے مولا کے قریب
عرض کی یا شہِ دیں احمدِ مرسلؐ کے حبیب
ان مقاموں سے ہے کیوں پیار یہ اندازِ عجیب
کہا شہ نے یہ زمیں ہے مرے پیاروں کا نصیب
یہاں قاسمؑ وہاں زینبؑ کے گُلِ تر ہوں گے
خط جہاں کھینچ دیا ہے وہیں اکبرؑ ہوں گے

کل یہی دشت ہے اور تیغ و سناں کی جھنکار — کل یہی خاک ہے اور میرے گلستاں کی بہار
گھوڑے دوڑائینگے لاشوں پہ یہاں ظلم شعار — کل یہی بسترِ آفت ہے غریبوں کا قرار
جہاں ٹپکائے ہیں آنسو وہاں پھر آؤں گا
کل اسی خاک میں اک پھول کو دفناؤں گا

کل اسی راہ سے آئیگی سکینہؑ غمگین — میں نے کانٹے بھی اُٹھائے ہیں تو بے وجہ نہیں
سر کٹے روندینگے میدان میں جب سوگ نشیں — خون روئیگی وہ بچی مرے مقتل کے قریں
ہر طرف بکھری ہوئی لاشوں سے گھبرائیگی
میں بلاؤں گا تو معصوم چلی آئے گی

شبِ عاشور گئی آ گیا روزِ عاشور — ہر طرف مثلِ قضا چھا گیا روزِ عاشور
بارشِ خوں ہوئی تھرّا گیا روزِ عاشور — گلشنِ فاطمہؑ لُوٹا گیا روزِ عاشور
سرخ آندھی نے کہا چادرِ تطہیر گری
بھائی مقتل میں گرا خیمے میں ہمشیر گری

یہ وہ منزل تھی جہاں ثانیٔ زہراؑ نے کہا — بیبیو اب مجھے وہ منظرِ غم یاد آیا
مجھ سے اکثر یہ بیاں کرتی تھیں اماں زہراؑ — سرخ آندھی میں اگر سر سے اُتر جائے ردا
اپنے ماںجائے کو مقتول سمجھنا زینبؑ
نوکِ نیزہ پہ مرا پھول سمجھنا زینبؑ

زلزلہ آیا ہلا خیمے کا پردہ اِکبار دیکھا فضہ نے تو موجود تھا خالی رہو
زخم اتنے تھے کہ آسان نہ تھا جن کا شمار گفتگو آنسوؤں میں جس پہ دہائی ہو نشا
اِک اشارہ تھا لہو ہو گیا قرآں زینبؑ
بھائی رخصت ہوا اللہ نگہباں زینبؑ

کون کہہ سکتا ہے کیا آلِ نبی پر گذری جہاں آیاتِ محمدؐ تھیں وہاں آگ لگی
ہر طرف شامِ غریباں کی سیاہی پھیلی اک بیمار نے یوں غیب کی آواز سُنی
آدمؑ آلِ پیمبرؐ مرے صابر عابدؑ
کوفہ و شام کا اب تو ہے مسافر عابدؑ

مرثیہ خوب ہوا مانگ دُعا اے قیصرؔ اے محمدؐ کے خدُا عادل روزِ محشر
ہر مسلمان کو دے آج وہ توفیقِ نظر صحنِ آفاق پہ غالب ہو مودت کی سحر
ہر طرف ظلم کی دُنیا تہہ و بالا کر دے
بھیج دے غیب سے خورشید اُجالا کر دے

کعبہ اور محافظانِ کعبہ

اے اہلِ ذکر کعبۂ دل کی اذاں سُنو
اے اہلِ دل اقامتِ ذکرِ جراں سُنو
منبر پہ ہے عبادتِ لفظ و بیاں سُنو
پڑھتا ہوں میں نمازِ سخن مہرباں سُنو
جلوے عطا ہوئے ہیں جہانِ شعور سے
میں نے وضو کیا ہے مودّت کے نور سے

عرشِ خیال پر ہے عقیدت کی جا نماز
پلکوں پہ ہے حسینؑ کا غم سجدہ گاہِ ناز
طبعِ رسا نے چھیڑ دیا بندگی کا ساز
اب شاعرِ حسینؑ ہے اور حمدِ بے نیاز
عاشور کی نماز کو محور کیے ہوئے
میں دشتِ کربلا میں ہوں کعبہ لیے ہوئے

حسنِ نظر ہے گلشنِ خیر الوریٰؐ کا نور
لوحِ جبیں پہ نقش ہے خاکِ شفا کا نور
مداحِ حسینؑ میں پایا خدا کا نور
کعبے میں لے چلا ہے مجھے کربلا کا نور
کیوں روشنی نہ ہو مرے دل کے چراغ میں
عباسؑ کے علم کی ضیا ہے دماغ میں

جو صاحبِ نظر ہیں وہ سمجھیں مرا خیال فکر و نظر کے زخم کا لازم ہے اندمال
کیا بزمِ قیل و قال ہے کیا رنگِ حیل و حال فطرت کی جلوہ گر ہے غمِ کربلا کی شال
پیاسوں کی قتل گاہ جو پہچانتا نہیں
کعبے کو وہ خدا کی قسم جانتا نہیں

کعبے کی معرفت کا ذریعہ ہے کربلا مقتل میں ہے مدینۂ انوارِ کبریا
زمزم کا افتخار ہے ساحل فرات کا آلِ نبیؐ ہیں روشنیِ خانۂ خدا
خیر العمل ہے فاطمہؑ کے نورِ عین سے
کعبے کی آبرو ہے نمازِ حسینؑ سے

یاد آ گئے حسینؑ اُڑا طائرِ نظر پروازِ فکر پا گئی روح الامینؑ کے پر
روشن ہوئے عمارتِ ہستی کے بام و در طے کر رہا ہوں شہرِ براہیمؑ کا سفر
تاریخ عکس ریز ہے تصویر کے لیے
ماضی شریکِ حال ہے تحریر کے لئے

نظروں میں ہیں فضائلِ کعبہ کی سرخیاں لازم ہے بزمِ فکر ہو مانندِ گلستاں
یوں ذہن پر ہو رحمتِ خلّاقِ دو جہاں کھُل جائے لفظ لفظ معانی کا عطرداں
قلب و نظر کو آئینہ دارِ ارم کروں
فطرت ہو باغ باغ وہ خوشبو رقم کروں

کاغذ پہ یوں رواں ہو مہکتا ہوا قلم جیسے فلک پہ روشنی کا پھول صبح دم
کرنوں کی طرح صاف ہوں صدیوں کے پیچ و خم کھُل جائے چشمِ شرق میں آئینۂ حرم
یہ سچ ہے بغیرِ حسنِ طلب کیا دکھائی دے
سجدہ ہو کربلا میں تو کعبہ دکھائی دے

اِس نقطۂ نظر کو سمجھتا ہے ہر بشر کعبے کا انحصار ہے وحدت کے نام پر
اے کاش آج دین و سیاست کے راہبر کعبے کی روشنی کو رکھیں مطمحِ نظر
درپیش اہتمامِ قیادت ہے قوم کو
کعبے کے ناخدا کی ضرورت ہے قوم کو

کعبے نے زندگی کو دیا آگہی کا رنگ کعبے سے آشکار ہوا روشنی کا رنگ
کہتا ہے ہر نظر سے شعورِ خودی کا رنگ کعبے کا بیار بن گیا پیغمبریؐ کا رنگ
یہ فیصلہ مطابقِ عقلِ سلیم ہے
کعبہ ہے جس کی روح وہ ملّت عظیم ہے

کعبے کے سائے میں ہے ازل اور ابد کا نام کعبے کے مہر و ماہ کی رونق ہے صبح و شام
کعبہ دلِ خواص ہے کعبہ دلِ عوام کعبہ ہے زندگی کے لئے مرکزی نظام
یہ شمع لازوال ہے بزمِ حیات میں
کعبہ نہیں تو روح نہیں کائنات میں

دل کے بغیر ذہن کی صنعت گری نہیں
سورج نہیں تو صبح نہیں روشنی نہیں
نقطے سے دور سلسلۂ خط کشی نہیں
کعبہ نہیں تو جلوہ گہہ بندگی نہیں
کیا حسنِ لاشریک ہے ناز و نیاز میں
کعبہ نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے نماز میں

یہ پیکرِ صد آئینہ یہ روح کا قیام
ہر آئینے میں خون کی گردش کا اہتمام
گردش کے ساتھ ساتھ نفس در نفس نظام
کعبے کی سمت چار طرف سجدۂ انام
وحدت کی معرفت کا مکمل پیام ہے
ہر سلسلہ تعینِ مرکز کا نام ہے

مرکز کے اعتبار سے ہر شے ہے معتبر
مرکز میں زندگی ہے تو زندہ ہیں خشک و تر
آنکھیں بتا رہی ہیں گلوں کے شباب پر
مٹی میں جان ہو تو مہکتی ہے شاخِ زر
یہ بات بھی سُنی ہے چمن کے گلاب سے
ہر پھول سرخرو ہے درِ بوتراب سے

پایا جسے سبب وہ ملا مظہرِ سبب
جیسے ادب کے رنگ میں صورت گرِ ادب
مرہونِ احتیاج ہیں دنیا میں سب کے سب
کوئی بھی بے نیاز نہیں ماسوائے رب
کس نے کہا شعورِ نظر ناتمام ہے
ہر آئینے کے ساتھ سکندر کا نام ہے

مکّے کی سرزمیں بخدا مرکزِ زمیں   دنیا کا فرش جسکی بدولت ہے بالیقین
آدم نے سب سے پہلے رکھی جس جگہ جبیں   بے شک وہی مقامِ عبادت ہے اولیں
یہ تو خبر نہیں رُخِ آدمؑ کدھر ہوا
مرکز اُسی کا نام ہے سجدہ جدھر ہوا

آدم کی سجدہ گاہ بنی مرکزِ عمل   یا زندگی نے ڈھونڈ لیا مشکلوں کا حل
نازل ہوئی زمین پہ تنویرِ لم یزل   آبِ کرم سے کھل گیا تعمیر کا کنول
چومینگے جبرئیلِ امیں اس بیان کو
بندے نے اِک مکان دیا لامکان کو

زیبائش مکاں کا تصوّر جواں ہوا   سجدے بڑھے تو اور ہوئی بارشِ عطا
دیکھا فلک نے آدم و حوّا کا ارتقا   آنسو رواں ہوئے تو سکونِ جگر ملا
ناز و نیاز آئینۂ حق نُما ہوئے
انساں پہ آسماں کے نمازی فدا ہوئے

اللہ کے صفی کا مقدّر صفاتِ حق   یعنی وہ کائناتِ بشر کائناتِ حق
دشتِ صفا میں جل گئی شمعِ ثباتِ حق   آنکھوں میں مسکرا دیا نورِ حیاتِ حق
تھی جستجو نوازشِ پیہم کے واسطے
توبہ کا در کھلا بنی آدمؑ کے واسطے

کعبہ ہوا جو خانۂ معمور کا شرف　سورج سے ہمکلام ہوئے سنگ کے خزف
صحنِ حرم سے بول اُٹھی روشنی کی صف　کعبہ بنے گا حاصلِ کونین کا صدف
پتھر میں بھی شعور کا معیار چاہیئے
موقع پر مسکرائے وہ دیوار چاہیئے

باغِ ابوالبشر کی طرح بندگی بڑھی　خوشبو بڑھی تو کیف بڑھا دلکشی بڑھی
پھیلا جمالِ حمدِ خدا روشنی بڑھی　کعبے کا اعتبار بڑھا آگہی بڑھی
دشتِ دجیل کو حسن کے آثار مل گئے
آدم کے پھول شاخِ عبادت پہ کھل گئے

تزئینِ شاخ شاخ ہوئی رنگ و بو کیساتھ　جھومی ثمر ثمر کی ادا جستجو کے ساتھ
تہذیبِ لفظ لفظ چلی گفتگو کے ساتھ　اُبھرے نظر نظر کے نگیں آبرو کے ساتھ
ذہنوں کا آسمان سحر بیز ہو گیا
آدم کی عظمتوں کا سفر تیز ہو گیا

ظاہر ہوئیں عروسِ تمدن کی شوخیاں　پھڑکیں ہوائے رنگ سے صحرا کی لیلیاں
تنہا تھیں کوہ پر اُتر آئیں بلندیاں　کعبہ ملا تو مل گئیں بندوں کو بستیاں
فصلیں اُگیں زمین کا نقشہ بدل گیا
روشن ہوئے تنور تو شیطان جل گیا

حسنِ عمل پہ منکرِ سجدہ کا اضطراب　　جیسے زمیں پہ سانپ کے پیکر میں پیچ و تاب
تعمیر کے سوال پہ تخریب کا جواب　　جیسے رگِ ثواب ہو اور خنجرِ عذاب
ظالم نے زہر بھر دیا دل کے ایاغ میں
بنیادِ قتل ڈال دی آدم کے باغ میں

ہابیل کے لہو سے فضا غم گماں ہوئی　　مظلومیت کی بات سرِ داستاں ہوئی
الفت کے ساتھ ساتھ عداوت رواں ہوئی　　ظالم سے اختلاف کی صورت عیاں ہوئی
فکری مناسبت سے کئی رنگ بن گئے
کچھ لوگ پھول بن گئے کچھ سنگ بن گئے

صدیوں کے ساتھ ساتھ ستم آشنا خیال　　پھیلا گئے تعصبِ فکر و نظر کے جال
ماضی سے اتنی دور ہوا کاروانِ حال　　تاریخ کے وجود نے پائی عدم کی چال
ایقان و علم پردۂ ابہام ہو گئے
لفظوں کی پالکی میں خیالات سو گئے

قومیں بنیں بکھر گیا آدم کا گلستاں　　پھولوں سے ہمکنار ہوئی صرصرِ خزاں
شہرِ لگانگت میں اٹھا شورِ الاماں　　دنیا کے انتشار کے رشتے ہوئے جواں
ظاہر میں اپنے اپنے سفینے رواں ہوئے
باطن میں نفرتوں کے جزیرے عیاں ہوئے

مرکز سے منہ پھرا تو فضائیں بدل گئیں
گریاں ہوئے نہال ہوائیں بدل گئیں
یوں انفرادیت کی قبائیں بدل گئیں
رخصت ہوا خلوص ادائیں بدل گئیں
ہر قافلہ خیامِ تغافل میں سو گیا
انسان رنگ و نسل میں تقسیم ہو گیا

اک فکر کی ہوا کہیں رحمت کہیں عذاب
اک موجِ آبرو کہیں شربت کہیں شراب
شیشہ گہہ انا کہیں دریا کہیں سراب
آدم کا ایک خوں کہیں کانٹا کہیں گلاب
نیرنگیوں کے ساتھ طبیعت کے پر کھلے
چھلکے انا کے آئینے عیب و ہنر کھلے

کعبے سے انحراف کیا خوف پالیا
شیروں نے اپنے آپ کو بزدل بنالیا
برقِ فنا سے شہرِ انا خود جلالیا
ٹھوکر جہاں بھی کھائی وہیں سر جھکالیا
مرکز سے ہٹ کے اہلِ جہاں کیا سے کیا ہوئے
سجدے ہوئے درخت کو پتھر خدا ہوئے

مٹی خدا غبار خدا آندھیاں خدا
سورج خدا چراغ خدا بجلیاں خدا
تارے خدا، بنامِ شفق سرخیاں خدا
قوسِ قزح کو دیکھ کے رنگینیاں خدا
اپنا ہی تیرا اپنے جگر میں اُتر گیا
انسانیت کو چھوڑ کے انسان مر گیا

الحاد کی ہوا نے چھپایا خدا کا گھر — صحرا ہوئے ریاضتِ آدمؑ کے بام و در
وادیٔ مہر و ماہ میں تاریخ کا سفر — لایا نئی ادا سے براھیمؑ کی نظر
پیار آگیا مشیتِ ربِّ جلیل کو
کعبے کے آنسوؤں نے پکارا خلیلؑ کو

پھر زندگی کا حسن بنی محنتِ خلیلؑ — گذرا نظر سے آئینہ سیرتِ خلیلؑ
لوحِ خرد پہ نقش ہوئی عظمتِ خلیلؑ — کعبہ ہوا مظاہرۂ خلّتِ خلیلؑ
اہلِ نظر کو ذوقِ عبادت کا پھل ملا
آدمؑ کی روح خوش ہوئی نعم البدل ملا

آغوشِ ہاجرہؑ میں پنپنے لگی حیات — اُبھرا اک اور چاند بڑھی روشنی کی بات
بولی زبانِ حال سے تعبیرِ کائنات — بچے کی پیاس بن گئی تحریکِ معجزات
صحرا میں ہاجرہؑ کی دعا سے حیات ہے
زمزم بھی ایڑیوں کے رگڑنے کی بات ہے

جھومی نظر نقابِ تغافل اُتار کے — چرچے ہوئے چمن میں گلِ اعتبار کے
دیکھے خزاں پسند نے جھونکے بہار کے — شیطان تین بار مِلا روپ دھار کے
حاسد نے آنکھ اُٹھائی تھی حق الیقین پر
پتھر پڑیں گے تا بہ قیامت لعین پر

پھر مرکزِ عمل سے گریزاں ہوئے بشر
پھر زور آزما ہوئے پتھر کے بال و پر
نمرودیت کی آگ سے اُڑنے لگے شرر
پھر ظلمتوں میں گھر گئے کعبے کے بام و در
چھایا دھواں تو منزلِ تکریم چھپ گئی
پھیلی وہ شام صبحِ براہیم چھپ گئی

اتنی بڑھیں دیارِ عمل میں تباہیاں
ڈوبیں لہو میں اہلِ خدا کی دلہنیاں
روئے زمیں پہ چھا گئیں آذر نگاہیاں
صدیوں رہیں فریب کی گہری سیاہیاں
ایسے میں حکمِ حق سے نیا باغ کھل گیا
اک اور بیتِ قدس زمانے کو مل گیا

وہ بیت قدس فکرِ سلیمان کا شاہکار
جھومے نگارِ وقت وہ تعمیرِ خوش نگار
وہ مصلحت کا پھول گلستاں کا اعتبار
داؤد کے نہالِ وفا پر خدا کا پیار
گویا تھے نقشِ مسجدِ اوّل کے واسطے
ہیکل بھی ایک آئینہ ہے کل کے واسطے

وہ انبیا وہ بیت مقدس وہ بندگی
وہ مژدۂ زبور وہ توریت کی خوشی
انجیل کے پیام کی تہذیب پروری
عنواں الگ الگ تھے پہ تقریر ایک تھی
لیکن تغیرات کے گلدان رہ گئے
تقریر تو بدل گئی عنوان رہ گئے

اب مطلعِ وجود پہ چمکا وہ آفتاب　　　جس نے کیا تمام اندھیروں کا سدِ باب
بطحا کی سرزمیں کو ملا کاشفُ الغیاب　　　کونین کو نصیب ہوا آخری نصاب
فاراں کے لبوں پہ یہ اعلانِ آگیا
کعبے کو روح مل گئی قرآن آگیا

قرآں کی زباں نے سُنا دی یہ داستاں　　　کس طرح اہلِ حق رہے کعبے کے پاسباں
وہ ابرہہ کی فوج کا طوفان الاماں　　　وہ جدِ مصطفٰےؐ کی دعا فتح کا نشاں
کہنے سے سنگ ریزے پہاڑوں پہ چھا گئے
سچ ہے کہ ہاتھیوں کو ابابیل کھا گئے

مشغول تھے حفاظتِ کعبہ میں حق سیر　　　لیکن بھرا ہوا تھا بتوں سے خدا کا گھر
اہلِ خدا کی چشمِ مشیت پہ تھی نظر　　　سینوں میں نقش تھی کوئی تصویرِ منتظر
آنکھوں کو آرزو تھی بہارِ چمن ملے
دل کہہ رہے تھے اب تو کوئی بت شکن ملے

وقت آگیا خدا نے سُنی زندگی کی بات　　　تیرہ رجب کی صُبح ملا مژدۂ نجات
مہکی فضا بدل گئی تقدیرِ کائنات　　　اسلام نے کہا مجھے حاصل ہوئی حیات
حُسنِ بشر عیاں ہوا قرآن کی طرح
کعبہ نہال ہو گیا عمرانؑ کی طرح

دیوار مسکرائی تو آئی صدائے حق   بنت اسد کا لال ہے مشکل کشائے حق
حق نے جسے بنا دیا حاجت روائے حق   کعبہ ہے اُس کے واسطے دولت سرائے حق
دُنیا علیؑ کے نام کی محتاج ہو گئی
آدمؑ کی سجدہ گاہ کو معراج ہو گئی

اُلٹی بساطِ خوف کھُلے کفر و فن کے ہاتھ   حبلُ المتیں نے باندھ دیئے اہرمن کے ہاتھ
اہلِ جہاں نے دیکھ لئے بانکپن کے ہاتھ   اب تھیں بتوں کی گردنیں اور بت شکن کے ہاتھ
انسانیت کی بانگِ درا گونجنے لگی
کعبے میں یا علیؑ کی صدا گونجنے لگی

کعبے میں بُت شکن کی ادائیں عجیب تھیں   تطہیر کے عمل میں چڑھائے تھے آستیں
اِتنے ہوئے بلند فلک بن گیا زمیں   آوازِ عرش آئی وہ آیا مرا امیں
ایمانِ کُل تھا پیکرِ ایماں لئے ہوئے
قرآں تھا اپنے دوش پہ قرآں لئے ہوئے

کعبہ بتوں سے پاک ہوا خوش ہوئے رسولؐ   کفّار کے نصیب میں آئی فنا کی دھول
مرکز میں اس ادا سے کھِلا روشنی کا پھول   پلٹا پھر اپنی اصل کی جانب رُخِ اصول
فطرت نے گھر بنا لیا قلبِ حجاز میں
کعبے کی سمت ہو گئے سجدے نماز میں

مرکز کی آبرو سے بڑھی آبروئے دیں　　توحید کی شراب سے چھلکا سبوئے دیں
پوری ہوئی بفضلِ خدا آرزوئے دیں　　ذکرِ علیؑ کا نام ہوا گفتگوئے دیں
بالائے ہر وقار یہی امتیاز ہے
کعبے کو اپنے گوہرِ یکتا پہ ناز ہے

کعبے کے ساتھ گوہرِ یکتا کی زندگی　　مرکز میں جیسے شمعِ صداقت کی روشنی
اس روشنی کو دیکھ کے فطرت پکار اُٹھی　　دستِ خدا یہی ہے یہی بازوئے نبیؐ
قرآں میں جس طرح سے محمدؐ کا نام ہے
کعبہ اُسی طرح سے علیؑ کا مقام ہے

یہ بات حاسدوں کے لئے قہر بن گئی　　کفر آشنا دلوں کے لئے زہر بن گئی
ہر سمت سرکشی کی نئی لہر بن گئی　　موجِ تعصبات اُٹھی نہر بن گئی
رنگِ سکوں سے درد کے ماتھے پہ بل پڑے
پھولوں کا رس نچوڑے کانٹے نکل پڑے

تنظیم حامیانِ ابوجہل الاماں　　غارتگروں میں بولہبیت ہوئی جواں
قصرِ ملوکیت سے اُٹھیں سرخ آندھیاں　　گویا ہوئی لٹے ہوئے کردار کی زباں
فرشِ زمیں سے دینِ خدا کا چمن مٹے
کعبہ مٹے تو واقعۂ بت شکن مٹے

رفتارِ وقت گردشِ ساغر میں آگئی — چہروں کی آب تابشِ خنجر میں آگئی
سازشِ پسِ حجاب تھی منظر میں آگئی — ہر خودسری یزید کے پیکر میں آگئی
ورثے میں جو نقاب ملے تھے ہٹا دیئے
بیٹے نے اپنے باپ کے چہرے دکھا دیئے

ذہنِ یزید خواہشِ ابلیس کا غلام — فکرِ یزید سازشِ اسلاف کا نظام
قلبِ یزید قوتِ الحاد کا مقام — عزمِ یزید شرعِ محمدؐ کا قتلِ عام
انسانیت کے واسطے گرداب ہو گیا
عہدِ یزید ظلم کا سیلاب ہو گیا

سیلابِ ظلم دیکھ کے تھرّائے دشت و در — گھبرا کے منتشر ہوئی جمعیتِ بشر
بے چینیوں کی موج میں ڈوبے دل و جگر — کانپے اذاں کے لفظ پکارا خدا کا گھر
اے مقصدِ رسولؐ کی تصویر المدد
کشتی بھنور میں آگئی شبیرؑ المدد

اسلام زخمِ دل کی زباں سے پکار اٹھا — مرہم ہے صرف دامنِ شبیرؑ کی ہوا
گر اب شکستِ کفر کا ساماں نہ ہو سکا — ممکن نہیں زمیں پہ رہے خانۂ خدا
کعبہ بچے گا سبطِ نبیؐ کی پناہ میں
لازم ہے جا نماز بچھے قتل گاہ میں

طوفاں میں ہے سجدہ گہہ آدمؑ و خلیلؑ گرنے کو ہے عبادتِ کونین کی فصیل
انسانیت میں بجنے لگی نوبتِ رحیل درکار اب ہے سب سے بڑے عزم کی سبیل
تدوین ہو لہو سے عمل کے نصاب کی
سوکھے لبوں سے پیاس بجھے انقلاب کی

قرآں پکارا اے مرے معصوم ہمسفر کب تک چلوں گا وقت کے نیزے کی نوک پر
زخمی ہیں آشتیں اسد اللہ کے پسر ہاں اے حسینؑ اب تری ہمت ہے چارہ گر
محفوظ کر لے کعبۂ خیر الانام کو
مقتل میں آکے روک دے طوفانِ شام کو

اب چاہیئے تحفظِ کعبہ میں وہ عمل جس کی بقا کو پیار کرے حسنِ لم یزل
اُڑ جائے رنگِ فکر سے رنگِ رُخِ اجل زخموں کو چوم کر یہ کہیں برچھیوں کے پھل
تنہا نے منہ پھیرا دیا فوجِ کثیر کا
یہ معجزہ ہے فاطمہؑ زہرا کے شیر کا

سُنتے ہی استغاثۂ آیاتِ کردگار اُٹھے حسینؑ لے کے مشیت کی ذوالفقار
سینے میں یوں بسا لیا شرعِ نبیؐ کا پیار خیبر کشا کی روح پکاری ترے نثار
کعبے کی زندگی کے لیئے آس بن گئے
بازو ادائے فرض میں عباسؑ بن گئے

اسلام سے کہا ترا غمخوار ہے حسینؑ قرآں سے کہا ترا معیار ہے حسینؑ
دُنیا سے بولے مجھ سے خبردار ہے حسینؑ مقتل سے اتنا کہہ دیا تیّار ہے حسینؑ
صحرا میں اپنے خون کا مصلّے بچھائے گا
کعبے کو مصطفےٰ کا نواسہ بچائے گا

طوفانِ شام تیز ہوا آندھیاں چلیں سائے میں نخوتوں کے ستم گاریاں پلیں
زہرِ ہوس نے کام کیا گردنیں ڈھلیں بیعت کی آگ پھیل گئی بستیاں جلیں
ہر سانس کو محافظِ کعبہ کیے ہوئے
نکلے حسینؑ صبر کا لشکر لیے ہوئے

چھوڑا مدینہ جانبِ کعبہ کیا سفر کعبے میں اہلِ ظلم کی سازش پہ کی نظر
دشمن کھڑے تھے جامۂ احرام باندھ کر اغلب یہ تھا حرم کی زمیں ہو لہو سے تر
عمرہ بجائے حج شہِ دیں نے ادا کیا
یعنی شعورِ حرمتِ کعبہ عطا کیا

عاشور کو وہ معرکہ، دشتِ کربلا وہ فجر کی اذاں سے قیامت کی ابتدا
تکبیر میں جوانیٔ اکبرؑ نے کہہ دیا اب قوتِ نماز ہے سجدہ حسینؑ کا
جب تک اذاں کے نام سے کعبے میں جان ہے
کہنا پڑے گا لہجۂ اکبرؑ جوان ہے

سجدوں میں وہ حسینؑ کے جانباز حق شناس　　جن کے وجود کعبۂ اسلام کی اساس
زخموں کی دھوپ گرم زمیں تین دن کی پیاس　　لیکن خدا کی یاد سے نکھرے ہوئے حواس
شہ رگ سے دم نکال کے خنجر کی دھار کا
دستور نقش کر گئے کعبے کے پیار کا

قلب زہیر قین میں غمخواری حسینؑ　　گویا چراغ نور تھا قلب زہیر قین
ہر دم دل حبیب میں زہراؑ کا نور عین　　گویا کتاب اجر رسالت بزیب و زین
نیزوں پہ چہرے اور زیادہ دمک گئے
کعبے کی عظمتوں کے ستارے چمک گئے

اک حشر تھا فرات کے پانی کا اضطراب　　ساحل پہ تشنہ کام علمدار محو خواب
اللہ رے کٹے ہوئے ہاتھوں کا انقلاب　　موجوں پہ صاف لکھ گیا عباسؑ کا شباب
زمزم کو حشر تک رخ توقیر مل گیا
کعبے کو زور بازوئے شبیرؑ مل گیا

تیرہ برس کے چاند کا لاشہ زمین پر　　جیسے کوئی گلاب ہو آندھی میں منتشر
مادر کی حسرتوں کا وہ سہرا لہو میں تر　　قاسم کا حال دیکھ کے کہتے تھے بحر و بر
جب تک ہم اس گلاب پہ آنسو بہائیں گے
کعبے کی حرمتوں کے چمن مسکرائیں گے

تیروں کی نذر ثانیِ زہراؑ کے دونوں لال   اس طرح قطعِ نسل کی ملتی نہیں مثال
وہ برچھیاں وہ عون و محمد سے نونہال   دُنیا سے کہہ رہا تھا یہ شبیرؑ کا خیال

کیا ہے اگر بہن کے مہِ نو بکھر گئے
کعبے کی روشنی میں اضافہ تو کر گئے

وہ وقت بھولتی نہیں انسان کی نظر   جب عرش و فرش روئے تھے زہراؑ کے لال پر
ہاتھوں پہ ننھی لاش تو چہرہ لہو میں تر   بولی اجل شہادتِ اصغرؑ کو دیکھ کر

کعبے کا وزن ننھے گلے پر اُٹھا لیا
غنچے نے آج پورے چمن کو بچا لیا

اصغرؑ کے خوں کا وزن کوئی کیا بتائے گا   صرف ایک چُلو خون زمیں سے نہ اُٹھ سکا
کیسی زمیں فلک نے بھی انکار کر دیا   لیکن ابوترابؑ کے بیٹے کا حوصلہ

وہ عطرِ صبر رُخ پہ سجایا حُسینؑ نے
دونوں جہاں کا وزن اُٹھایا حُسینؑ نے

مقتل سے خالی ہاتھ جو خیمے میں آئے تھے   بچے کے بدلے قبر کی مٹی اُٹھائے تھے
کیسے کہوں حسینؑ نے آنسو بہائے تھے   جھولے کو چوم کر یہ سخن لب پہ لائے تھے

اصغرؑ نے یوں ہرا دیا ہر اضطراب کو
اب ہاجرہؑ سلام کریں گی ربابؑ کو

اصغرؑ کے بعد سجدۂ آخر کا انتظام
کہنہ لباس تن پہ سجا کر اٹھے امام
ماں جائی کو گلے سے لگا کر کیا کلام
زینبؑ تمہارے نام لکھا ہے جہادِ شام
پیاری بہن یہ صبر کی دولت سنبھال لو
کعبے کے قافلے کی قیادت سنبھال لو

زینبؑ مجھے عزیز ہے کعبے کا احترام
لٹ جائے میرا گھر مرا کعبہ رہے مدام
لازم ہے اب تمہارے لیے ضبط کا نظام
لکھ لو کتابِ دل پہ یہ ماں جائے کا پیام
درّے پڑیں تو یادِ خدا کا طواف ہو
کعبے پہ اب تمہاری ردا کا غلاف ہو

زینبؑ مرا سفر تو یہیں ختم ہو گیا
اب تم پھرائی جاؤ گی شہروں میں بے ردا
زینبؑ مرے بدن پہ تو روئے گی کربلا
اب تم ہو اور عالمِ غربت کی ہر جفا
کیا غم ہے بنتِ فاتحِ بدر و حنین ہو
عابدؑ تمہارا لال ہے اب تم حسینؑ ہو

آخر جبینِ وقت پہ مظلوم کی نگاہ
جیسے نمازِ عصر شہادت پہ ہو گواہ
داخل ہوئی غلاف میں شمشیرِ دیں پناہ
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی شام کی سپاہ
میں کیا کہوں رسولؐ کو امت نے کیا دیا
پشتِ فرس سے وارثِ کعبہ گرا دیا

کیسے کہوں فرس سے زمیں پر گرے حسینؑ　　رستے میں اِک مقام تھا جس پر رکے حسینؑ
تاریخ کہہ رہی ہے معلّق ہوئے حسینؑ　　مسند پہ ناوکوں کی تڑپتے رہے حسینؑ
اندازِ ظلم دونوں جہاں کو رُلا گئے
قاتل کے پاؤں سینۂ قرآں پہ آگئے

تیروں پہ بے وطن کا بدن ظلم کا دباؤ　　سینے کے زخم چومنے آئے کمر کے گھاؤ
بولی زمین اے مرے آقا نجف سے آؤ　　زہراؑ کا چاند ڈوبنے والا ہے دیکھ جاؤ
سجدے میں کٹ رہا ہے گلا نورِ عین کا
منہ چومتا ہے کعبہ تمہارے حسینؑ کا

سر کٹ گیا غریب کا رقصاں ہوئے سوار　　اُڑنے لگے غبار کی صورت ستم شعار
ٹاپوں کی زد میں آگیا زہراؑ کا گلعذار　　بکھرا بدن تو خود نکل آئے بدن کے خار
مطلق ہوا نہ خوفِ خدا فوجِ شام کو
روندا گیا صحیفۂ خیرالانامؑ کو

نیزے پہ جلوہ گر ہوا کعبے کا پاسباں　　قرآں نے دی صدا مرا سورج ہوا عیاں
شہزادیاں کہیں تھیں کہیں محشرِ فغاں　　خیموں سے اہلبیتؑ کے اُٹھنے لگا دھواں
سیدانیاں تڑپتی تھیں شعلوں کی چھاؤں میں
زنجیر تھی محافظِ کعبہ کے پاؤں میں

کچھ دیر بعد شام غریباں کی تھی پکار　　اب کون ہے غریب اسیروں کا غمگسار
عباسؑ کو خبر نہیں بچے ہیں اشکبار　　بالوں سے منہ چھپائے ہیں کعبے کے پردہ دار
پردیس میں بتولؑ کی جاگیر لُٹ گئی
اکبرؑ کہاں ہیں چادرِ تطہیر لُٹ گئی

عابدؑ کی جا نماز وہ خاکسترِ خیام　　ہتھکڑیوں میں اذان و اقامت کا انتظام
طوقِ گراں کے ساتھ جو سجدہ کیا تمام　　کعبے نے کربلا کی زمیں کو کیا سلام
مطلب یہ تھا عظیم حسینی نظام ہے
کردارِ اہلبیتؑ سے کعبے کا نام ہے

بے ثباتیٔ عالم

مسافرانِ عدم کا سفر ارے توبہ بس ایک پل میں اِدھر سے اُدھر ارے توبہ
یہ پردہ پوشیٔ اہلِ نظر ارے توبہ زمیں نگلتی ہے شمس و قمر ارے توبہ
خموشیاں ہیں مسلّط مقام حیرت ہے
کوئی خبر ہی نہیں یہ خبر قیامت ہے

عجیب صاحبِ دل ہیں یہ رہروانِ عدم نہ اِن کو جان کی پروا نہ اِنکو مال کا غم
کوئی عزیز ہو ٹوٹے کسی پہ کوہِ الم یہ طالبانِ سفر دیکھتے نہیں موسم
کوئی جو کہتا ہے کیوں چشمِ التفات نہیں
یہ بند آنکھوں سے کہتے ہیں کوئی بات نہیں

زمانے بھر سے نرالا ہے اِن کا عزمِ سفر نہ مشورے کی ضرورت نہ گفتگو کا اثر
خیال بھائیوں کا اور نہ ماں کی خبر بلا سے اِن کی جو بے ہوش ہو گئی خواہر
تمام چاہنے والے تو جان کھوئینگے
اِنہیں یہ ضد ہے کہ جنگل میں جا کے سوئینگے

نہ جانے اِن کی نظر میں ہے کس چمن کی بہار — بڑی خوشی سے بھلاتے ہیں اپنے باغ کا پیار
نہ جانے قبر کی مٹی ہے کس محل کا خمار — پکارتے ہیں سجاتے ہوئے در و دیوار
ہر ایک رشتۂ ماحول توڑ دیتے ہیں
یہ جانے والے بھرے گھر کو چھوڑ دیتے ہیں

بڑے خلیق مگر اب نگاہِ خُلق نہیں — بڑے کلیم مگر اب خموشیوں کے امیں
وہ کل کی بات عزیزوں سے گفتگو تھی حسیں — یہ آج سب سے جُدائی ہے اور خاکِ زمیں
کہاں یہ حلقۂ اہلِ عدم نے گھیر لیا
ملا ہے کون کہ مُنہ دوستوں سے پھیر لیا

کوئی ہے جس نے عیاں کر دیئے نشیب و فراز — کوئی ہے جس کی صدا پر فدا ہوئی آواز
کوئی ہے جس پہ نچھاور ہوئی طبیعتِ ناز — کوئی ہے جس کی تڑپ میں رکا ہے قلب کا ساز
دعائیں ہم نے تو کیں اِن کی زندگی کے لئے
یہ خاک چھاننے نکلے ہیں اب کسی کے لئے

گذرنے والے بڑی شان سے گذرتے ہیں — پہن کے آخری خلعت بہت سنورتے ہیں
قضا کے فرش پہ جب خواب میں نکھرتے ہیں — ہم اِن پہ مرتے ہیں یہ بے رُخی پہ مرتے ہیں
ہزار اشک بہیں آنکھ کھولتے ہی نہیں
تڑپ تڑپ کے پکارو یہ بولتے ہی نہیں

قدم قدم تھا جنہیں دلنوازیوں کا خیال — وہ کاش جانتے کیا ہوگا انکے دل کا مآل
جو پوچھتے تھے محبت سے اہلِ درد کا حال — خود اپنے درد سے دُنیا کو کر رہے ہیں نڈھال
دوا نصیب نہیں ہے تو آہیں بھرتے ہیں
غریب اپنا مسیحا تلاش کرتے ہیں

عجب مقامِ تحیّر ہے موت کی وادی — شماریات سے بالا ہے اس کی آبادی
پلٹ کے آیا نہ کوئی بھی نقشِ فریادی — کہ جیسے مل گئی دنیا کے غم سے آزادی
یہاں ضعیفی و تاب و تواں کی قید نہیں
یہ وہ سفر ہے کہ پیر و جواں کی قید نہیں

کسے پسند نہیں ہے سکوتِ غیب کی سیر — وہی بھلائے یہ منزل جسے ہو اپنے سے بیر
نہ کوئی اپنا ہے اپنا نہ کوئی غیر ہے غیر — ہر ایک درد چلا ہے بھلا کے منطقِ طیر
کوئی بہانہ کوئی عذر چل نہیں سکتا
یہاں تو وقت بھی پہلو بدل نہیں سکتا

مسافروں سے کوئی یہ سوال بھی تو کرے — کھلینگے کیسے یتیمی کی دھوپ میں غنچے
خدانخواستہ گھیریں جو وقت کے شعلے — وہ کون ہے جو یتیموں کو زندگی سمجھے
تسلیوں سے کلیجے لبھا کے جاتے ہیں
سفر میں جاتے ہیں لیکن بتا کے جاتے ہیں

یا اگئے تو پلٹ کر سلام ہے نہ دعا   یہ کیا اکسی سے کوئی ربط و ضبط ہی نہ رہا
لیقہ خاک لکھیں ہم نہ کچھ اتہ نہ پتا   اگر کسی سے کبھی پوچھ لیں ہنسے دنیا
کوئی بتائے یہ کیا طرزِ غمگساری ہے
یہاں تو دل کی کراہوں پہ سنگ باری ہے

طنابِ نفس میں بندھی ہوئی تھی حیات   اجل نے بند جو کھولے بدل گئے دن رات
لبوں کا تبسم تھے نقرئی لمحات   اجل نے سانس جو لی زہر بن گئے حالات
چلی ہوائے تغیر گلاب ٹوٹ گیا
تڑپ کے رہ گئیں موجیں حباب ٹوٹ گیا

ی تو شاخِ جوانی پہ تھا گلاب کا پھول   ابھی تو گیسوئے خوشبو میں تھا شباب کا پھول
ل تھا وہ کسی چشمِ انتخاب کا پھول   جسے بنایا گیا موت کی کتاب کا پھول
چمن سے پوچھیئے فصلِ بہار کی فرقت
خزاں کا نام ہے اِک گلعذار کی فرقت

گلعذار جسے شمعِ انجمن کہیئے   وہ روشنی جسے مہتاب کا بدن کہیئے
ہ چاند جس کو تخیل میں سیم تن کہیئے   وہ ایک لفظ جسے حاصلِ سخن کہیئے
زمانے والوں نے کیوں اُس پہ خاک ڈالی ہے
سخنورو یہ طبیعت کی پائمالی ہے

اُٹھا کے بھائی کی میت پکارتا ہے کوئی — یہ کیا ہوا مرے ہاتھوں میں جان ہی نہ رہی
رچی تھی جس کے خیالات میں شگفتہ دلی — وہ یوں نگاہ پھیرا کر گیا کہ بات نہ کی
شکستِ قلب کو پابندئ رضا کہیے
یہی ہے صبر تو مجبوریوں کو کیا کہیے

کوئی بہن کسی گوشے میں کر رہی ہے کلام — کہاں گیا مرا بھائی تمام گُل اندام
ہواؤ تم ہی بتا دو وہ زندگی کا مقام — جہاں پہ اب مرے ماںجائے نے کیا ہے قیام
یہ درد و غم کی صدائیں بھی کامیاب نہیں
بہن پکار رہی ہے کوئی جواب نہیں

لباسِ بیوگی پہنے ہوئے کوئی غمگیں — کسی خیال کے بادل سے دیکھتی ہے زمیں
زمیں پہ ٹانکتی ہے گرم آنسوؤں کے نگیں — کہ جیسے اب یہی دولت ہے اور کچھ بھی نہیں
سنہری کرنیں جو آنگن سے دُور جاتی ہیں
نگاہیں در کی طرف جا کے لوٹ آتی ہیں

بصد حجاب یہ کہتی ہے چار دن کی دلھن — یہ کس خطا پہ مقدّر نے کر دیا برہن
عجب نظارۂ عبرت ہے زندگی کا چمن — ابھی خوشی کی تمنا ابھی غموں کی لگن
ہر اک مذاقِ سخن خاک پر عبارت ہے
چراغِ خانۂ ہستی چراغِ تُربت ہے

یہی ہے رسمِ محبت تو بس خدا حافظ — اسی کا نام ہے الفت تو بس خدا حافظ
اگر یہی ہے مروت تو بس خدا حافظ — ملیں گے روزِ قیامت تو بس خدا حافظ
کبھی تو شیشۂ ہستی بکھر ہی جائے گا
ہمارا وقت بھی آخر گذر ہی جائے گا

ضعیف ماں کا کلیجہ جوان لال کا داغ — فصیلِ درد پہ مجبور زندگی کا چراغ
نظر کے ساتھ ہے اب اس کی جستجو میں دماغ — ہما کی طرح مقدر نہیں ہے جس کا سراغ
جگر کی آگ پہ صبر و رضا کا پانی ہے
نفس نفس غمِ شبیرؑ کی کہانی ہے

حقیقتاً غمِ شبیرؑ ہے معالجِ غم — زمانے بھر کے لئے زخمِ روح کا مرہم
یہ غم نہ ہو تو نکل جائے آدمی کا دم — بیان کرتا ہے عباسِ نامور کا علم
کہاں ہے درد کا دریا فرات سے پوچھو
غموں کی دھوپ حسینی ثبات سے پوچھو

وہ امتحان کی منزل وہ کربلا وہ حسینؑ — وہ قتل گاہ وہ خنجر وہ اشقیا وہ حسینؑ
قدم قدم وہ جفاؤں کی انتہا وہ حسینؑ — وہ گرم ریت وہ انصار و اقربا وہ حسینؑ
ہزار زخم سہے مسکرا کے شکر کیا
جوان شیروں کی لاشیں اٹھا کے شکر کیا

سکون روح کے طالب یہ داستاں سُنیں خلافِ ظلم ہے مظلوم کا بیاں سُنیں
سُنیں حمیّت و غیرت کے پاسباں سُنیں حُسینؑ نے جو دیا ہے وہ امتحاں سُنیں
ہر آفتابِ عمل کربلا کی راہ میں ہے
تمام نوعِ بشر صبر کی پناہ میں ہے

کلیدِ صبر نے کھولے ہیں کائنات کے بھید نگاہ صبر پہ قربان ساغرِ جمشید
حسینؑ مرضیِٔ حق مالکِ سیاہ و سپید تو پھر یقیں ہے کہ ہم بھی ہیں زندۂ جاوید
دعائے فاطمہؑ خوشبوئے جاودانی ہے
قضا پہ حیدری پھولوں کی حکمرانی ہے

بیان صبر ہے مقتل میں امتحانِ وفا جس امتحان سے زندہ ہے کاروانِ وفا
کھلا فرات پہ جس وقت بادبانِ وفا بقا کے رُخ پہ چلی کشتیٔ جہانِ وفا
حسینیت نے لکھا بادبان پہ یا عباسؑ
خدا نے دیدیا کشتی کو ناخدا عباسؑ

بڑھا تموّجِ غم قحطِ آب کی صورت شعاعیں تیز ہوئیں آفتاب کی صورت
گرے رفیقوں کے لاشے گلاب کی صورت پڑھی حسینؑ نے دنیا کتاب کی صورت
مصیبتوں کی ہوا نے چمن کو لوٹ لیا
ستمگروں نے غریب الوطن کو لوٹ لیا

بہن کے چاند لہو میں نہائے صبر کیا — اُٹھا کے میتیں خیمے میں لائے صبر کیا
بہن کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے صبر کیا — وہ چاند خود ہی گلے سے لگائے صبر کیا
فضائے ارض و سما سرد آہ بھرنے لگی
علیؑ کی روح نواسوں کو پیار کرنے لگی

دہکتی ریت پہ تازہ گلوں کا مُرجھانا — گلوں کا دوڑتے گھوڑوں کی راہ میں آنا
جہاں پہاڑ ہلیں اُس جگہ سکوں پانا — عبا میں لاشۂ قاسمؑ کو باندھ کر لانا
دل و دماغِ شہِ مشرقین زندہ باد
مورخوں نے پکارا حسینؑ زندہ باد

وہ اہلِ بیت وہ لاشیں وہ درد کا منظر — وہ طبلِ جنگ وہ خیموں کے سامنے لشکر
بڑھے جو اذنِ وغا کے لئے علیؑ اکبر — سوال بن گئی عباسؑ نامور کی نظر
نجف کی سمت مڑے اور کہا قیامت ہے
غلام زندہ ہے بابا بڑی ندامت ہے

امامِ وقت سے مجبور ہو گیا ہوں حضور — کمالِ ضبط کے کانٹوں پہ چل رہا ہوں حضور
عجب محافظِ اولادِ مصطفےٰ ہوں حضور — اُجڑ رہا ہے بھرا باغ دیکھتا ہوں حضور
تلاش سے بھی نہ کوئی عدوئے دیں ملتا
میں کیا کروں مجھے اذنِ وغا نہیں ملتا

جو زندگی کے اُجالے تھے وہ شہید ہوئے
جو کھیلنے کھیلنے والے تھے وہ شہید ہوئے
جو منفرد سے تھے جیالے تھے وہ شہید ہوئے
جو میری گود کے پالے تھے وہ شہید ہوئے
رگوں میں حسرتِ پیکار خون روتی ہے
مری طرح مری تلوار خون روتی ہے

یہ کہکے رکھ دیا سبطِ نبیؐ کے پاؤں پہ سر
رسولِؐ پاک کے لختِ نظر کرم کی نظر
عطا ہو میرے مسیحا دوائے دردِ جگر
میں کیا جیوں گا جو رخصت ہوئے علی اکبرؑ
یہ کائنات ہے آلِ بتولؑ کا صدقہ
مجھے بھی دیجئے شبیہِ رسولؐ کا صدقہ

ہر ایک سانس ہے اس وقت تشنۂ احساس
کہ جیسے سامنے اماںؑ کھڑی ہوئی ہیں اداس
میں سن رہا ہوں یہ الفاظِ غم بہ لہجۂ یاس
حجاب آتا ہے بنتِ نبیؐ سے اے عباسؑ
تمام زخمِ جگر صبر سے رفو بھی ہوئے
جو خوش نصیب تھے وہ آج سرخرو بھی ہوئے

کہا حسینؑ نے اے ماہتابِ آلِ عبا
خدا نے تمکو بنایا ہے آفتابِ وفا
سمجھ رہا ہوں تمہیں کس قدر ہے جوشِ وغا
یہ ضبطِ نفس ہے بالکل جہادِ شیرِ خدا
بساطِ جنگ اُلٹنے میں کامیاب ہو تم
یہ دشت جانتا ہے ابنِ بوترابؑ ہو تم

مگر مجھے یہ بتاؤ مرے حسینؑ شناس — رہے گا کون مصائب میں اہلبیتؑ کے پاس
خیالِ رخصتِ اکبرؑ پہ ہو رہے ہو اداس — مری نگاہ سے دیکھو ذرا وہ منظرِ یاس
یتیم بچوں کو دنیا طمانچے مارے گی
ردا چھنے گی تو زینبؑ تمہیں پکارے گی

یہ بات سُن کے جلالت کی سرخیاں اُبھریں — لہو کے رنگ میں غیرت نے کروٹیں بدلیں
پکارے سوکھے ہوئے ہونٹ کوئی پیاس نہیں — علیؑ کا شیر اُلٹ دے گا کربلا کی زمیں
چلے گی سیف اجل حشر بالیقیں ہوگا
ردا چھنے گی تو عباسؑ بھی نہیں ہوگا

فضائے دشت پہ غازی کی غیظ بار نظر — زبانِ حال سے دُنیا کو دے رہی تھی خبر
اگر خیام کی جانب بڑھیں گے بانیٔ شر — تو پھر کہاں کوئی عباسؑ اور کوئی اکبرؑ
تمام اہلِ وفا خون میں نہائیں گے
ردائے دخترِ خیبر شکن بچائیں گے

ادب کے ساتھ کہا اب نہ روکیے سرکار — سپاہِ شام ہے اب اور غلام کی تلوار
ملاحظہ کریں آقا نظارۂ خونبار — لگاؤں گا میں لعینوں کی موت کا بازار
دعائے حیدرِ کرار کا اثر ہوں میں
مگر بغیر اجازت شکستہ پر ہوں میں

نبیؐ کے لال کی آنکھوں میں آ گئے آنسو
گلے لگا کے یہ فرمایا اے مرے خوشخو
یہ میرے شیر کی آنکھیں شجاعتوں کے سبو
یہی سبو ہیں جو دیتے ہیں بندگی کو نمو
یہ فرطِ غیظ بھی فتح و ظفر کی آیت ہے
مگر یہاں تو بڑے ضبط کی ضرورت ہے

میں جانتا ہوں اجازت تمہیں جو دوں اک بار
بوقتِ عصر بدل جائے نقشۂ پیکار
میں جانتا ہوں اگر تم نے کھینچ لی تلوار
تو پھر نہ کوفے کی منزل نہ شام کا دربار
خلافِ امرِ مشیت ہمارا کام نہیں
جہادِ صبر ہے بھائی یہ انتقام نہیں

جہادِ صبر نہ ہوتا تو دیکھتی دنیا
نظر نہ آتی یہ سرکش یہ سرپھری دنیا
گروہِ دیں کے مقابل کہاں تھی دنیا
علی کے شیر الٹ دیتے شام کی دنیا
مگر یہاں تو نمازِ وفا ادا ہوگی
خدا کے دین کی پہچان کربلا ہوگی

یہ کربلا کا تقاضہ ہے مرے غیرت دار
کہ اب فرات پہ قبضہ کرے میرا جرار
مگر یہ شرط ہے قبضے سے دور ہو تلوار
دفاع کے لئے نیزہ ہو صرف اک ہتھیار
یہ جنگ عرصۂ ہستی میں امتیازی ہے
جہادِ سیف نہیں ہے مزاج سازی ہے

تمام زورِ شجاعت ہو اور ضبط کرے   اِک انقلاب کی طاقت ہو اور ضبط کرے
تمام پیکرِ جرأت ہو اور ضبط کرے   رگوں میں حیدری غیرت ہو اور ضبط کرے
یہی ادا تو شعورِ وفا کی آیت ہے
اسی کا نام اولوالامر کی اطاعت ہے

سُنو سُنو درِ خیمہ پہ العطش کی صدا   کہ جس طرح کوئی معصوم ہو قریبِ قضا
بلا رہی ہے سکینہ تمہیں چلو بھیّا   بلائیں لے کے دُعا دے گی ثانیِ زہراؑ
فرازِ دوشِ سعادت علم سجا کے چلو
بہن کے سامنے جانا ہے مُسکرا کے چلو

علم جو دوش پہ رکھا تڑپ اُٹھے عباسؑ   جلال ضبط میں بدلا تو رو دیئے عباسؑ
میں کیا کہوں سوئے خیمہ رواں ہوئے عباسؑ   یہ حال تھا کبھی ٹھہرے کبھی چلے عباسؑ
وہ اضطراب کی لو زندگی کی مشعل میں
نگاہ خیمے کی جانب خیال مقتل میں

بالاختصار وہ خیمہ وہ اک مرقّعِ غم   دُعا میں ثانیِ زہراؑ جلو میں اہلِ حرم
وہ الوداع کا غل پیشِ خیمۂ ماتم   وہ سب سے پیاری بھتیجی کے اشک زیرِ علم
ملی جو سوکھی ہوئی مشک تھرتھرانے لگے
چراغِ ضبط میں دل کا لہو جلانے لگے

سلام رخصتِ آخر قیامتِ صغرا   کوئی زمین پہ تڑپی کسی کو غش آیا
کسی کے اشک پکارے کب آئیے گا چچا   کسی نے کروٹیں بدلیں تو ہل گیا جھولا
فضائے درد میں عباسؑ آہ بھر کے چلے
کلیجہ ہل گیا اصغر کو پیار کر کے چلے

اب امتحانِ وفا کو ملا نیا انداز   نئے شعور سے اُبھری حیات کی آواز
سخن طراز ہوئے کائنات کے جانباز   حسینیت نے بشر کو دیا ہے یہ اعزاز
حقیقتوں کی جو دل میں اُمنگ ہوتی ہے
بغیرِ تیغ بھی فوجوں سے جنگ ہوتی ہے

کیا جو سبطِ رسالت پناہ نے رخصت   اب ایک نیزہ تھا اور فوجِ شام کی کثرت
مگر وہ شیرِ الٰہی کے شیر کی ہیبت   حواس گم ہوئے چہروں سے اڑ گئی رنگت
تمام فوج کی نظروں کے تار ٹوٹ گئے
مقابلے کی ہوا تھی پسینے چھوٹ گئے

بھرا تھا جنبش نیزہ میں ذوالفقار کا رنگ   وہ رنگ جس نے دیا موت کو بہار کا رنگ
گرے سبوئے تکبر گیا خمار کا رنگ   اڑا نہ یوں کسی فوجِ ستم شعار کا رنگ
علم کے سائے میں نیزے کی لہر کیا کہیے
کلیمؑ طور پکارے مرا عصا کہیے

غضب تھا پنجۂ عباسِؑ نامور کا کمال
کہ جیسے قبضۂ حیدرؑ میں سب جدال و قتال
بکھر رہا تھا جو مرکب شہِؑ وفا کا خیال
مثال گردشِ نیزہ بنائی اپنی چال
حصارِ نیزہ و مرکب جہاں جہاں دیکھا
لبِ اجل پہ تبسّم وہاں وہاں دیکھا

گرج رہے تھے جو دستے وہ دست و پا سے گئے
بنے ہوئے تھے جو دیوار اِک ہوا سے گئے
جو انتہا کے جری تھے وہ ابتدا سے گئے
صدائے غیرت و کردار تھی بلا سے گئے
اضافہ ہو گیا تاریخ کے حوالوں میں
ملے فرار کے نقشے بڑے رسالوں میں

کھلا فرات کا ساحل ہٹی ذلالتِ شام
علم کو دیکھ کے موجیں اٹھیں برائے سلام
عجب نہیں جو یہ کہتا ہوا سبِ نیک انجام
یہ ہے دعائے سکینہؑ یہ ہے عطائے امامؑ
جو حکمِ سبطِ پیمبرؐ پہ جان دیتا ہے
وہ شخص فوج سے دریا بھی چھین لیتا ہے

علیؑ کے شیر نے ساحل پہ نصب کر کے علم
بھرا جو مشک میں پانی بڑھی حرارتِ غم
اٹھا کے چلو میں اتنا کہا بدیدۂ نم
تجھے نہ منہ سے لگاؤں گا میں خدا کی قسم
تیرے وقار کا اب کیا سوال رہتا ہے
حسینؑ پیاسے ہیں اور تو زمیں پہ بہتا ہے

گرا کے چلو سے پانی کیا فرس سے سوال — بتا دے میرے وفادار کیا ہے تیرا خیال
کہا فرس نے اشارے سے اے علیؑ کے نہال — تمہارا حکم ہے اب مری زندگی کا مآل
کہو تو پیاس بجھا لوں فنا کی بستی میں
کہو تو نام لکھا لوں بقا کی بستی میں

پھرایا منہ جو فرس نے فرات شرمائی — ہر ایک موج تڑپ کر حباب میں آئی
سپاہِ شام نے پائی تمام رُسوائی — فرس کی بات بھی انساں کی بات کہلائی
گلے لگایا عبارت کے شاہکاروں نے
سنہری لفظ دیئے واقعہ نگاروں نے

سنبھالی مشک علمدار نے مُڑا رہوار — علم کو زینتِ شانہ کیا بہ عزّ و وقار
اِدھر خیام کی جانب سواریٔ جرار — اُدھر گھٹا کی طرح آ گئے سیہ کردار
خبر جو تھی کہ بہادر کے پاس تیغ نہیں
پکارے لوگ بڑھو اب کوئی دریغ نہیں

وہ چار سمت سے حملے وہ برچھیاں وہ تبر — کہیں سے تیروں کی بارش ہوئی کہیں پتھر
وہ ایک نیزہ ابھی تک جو تھا جری کی سپر — وہ یوں تھا مشک پہ جس طرح باوفا کی نظر
جھکے ہوئے تھے فرس پر ہلال کی صورت
برائے مشک تھے عباسؑ ڈھال کی صورت

کبھی خیال سرِ خاک گر نہ جائے علم — کبھی یہ فکر لگے مشک پر نہ تیرِ ستم
نتیجہ ایسی حفاظت کا کس طرح ہو رقم — تمام زخموں پہ لشکر نے رکھ دیا مرہم
کمر پہ برچھیاں اور پہلوؤں پہ بھالے تھے
مگر علم کی طرح مشک کو سنبھالے تھے

علم بلند رہا مطمئن رہے شبیرؑ — علم کو جھکتے ہوئے دیکھ کر جھکے شبیرؑ
گذر رہی ہے کہاں کیا سمجھ گئے شبیرؑ — کبھی اُٹھے کبھی بیٹھے کبھی گرے شبیر
خیال تھا کہ ابھی درد کو اثر نہ ملے
علم گرا ہے سکینہؑ کو یہ خبر نہ ملے

یہاں علم کی حفاظت کا کام ختم ہوا — سنبھالتا جو علم اب وہ ہاتھ ہی نہ رہا
کٹا وہ دوسرا بازو وہ گرز سر پہ لگا — وہ تیر مشک میں اُترا وہ دل بھی ٹوٹ گیا
کٹے رکابوں کے تسمے تو جھوم کر آئے
قیامت آگئی عباسؑ خاک پر آئے

جہاں تھا مشک کا پانی وہاں جری کا لہو — جہاں جنازۂ حسرت وہاں وفا کا وضو
گرے جو مشک پہ غازی کے خوں بھرے آنسو — خود اپنے پھول پہ گویا نثار تھی خوشبو
گیا نہ خیمے میں پانی یہ آرزو لکھ دی
جو دل میں تھی سرِ مقتل وہ گفتگو لکھ دی

بدن کے زخموں کی تحریر کوئی پڑھ سکتا
جری نے اہلِ مدینہ کو یہ پیام دیا
اگر کبھی مری امّاں نے واقعہ پوچھا
بتاؤ کیسے لڑا وہ مرا جری بیٹا
ادب سے اتنا بتا دینا اُن کی خدمت میں
پسر نے ہچکیاں لی ہیں دعا کی حسرت میں

کوئی عجب نہیں یہ بات کہہ رہا ہو علم
سُنیں گے فاتحِ خیبر یہ جاں گدازیِ غم
پڑے ہوئے ہیں جو بازو مرے قریبِ الم دم
یہی ہیں عالمِ انساں کی غیرتوں کا بھرم
بھنور سے کشتیِ ایماں بچا کے لائے ہیں
یہی وہ ہاتھ ہیں جو آج کام آئے ہیں

عجب نہیں کہ یہ آتی ہو مشک سے آواز
کوئی بقیع میں جا کر کہے بہ عجز و نیاز
جنابِ فاطمۂ بنتِ نبیؐ فلک افراز
حضور آپ کے عباسؑ پر خدا کو ہے ناز
تمام نور کا ماہِ تمام ہے عباسؑ
دلِ حسینؑ کی دھڑکن کا نام ہے عباسؑ

نفیرِ فوج بجی فوجِ شام میں اکبار
کہ جیسے لٹ گئی آلِ رسولؐ کی سرکار
خموش ہو گئی خیموں میں عترتِ اطہار
کہ جیسے گر گئی ڈھارس کی آخری دیوار
فغاں کا شور بھی مایوسیوں نے توڑ دیا
بچیں گے سبطِ نبیؐ یہ خیال چھوڑ دیا

حسین لاشِ برادر پہ اس طرح پہنچے　　کہ جیسے روشنی ظلمت میں روشنی سے ملے
لہو بھرے ہوئے ہونٹوں سے چند لفظ سُنے　　حضور آئے ہیں اب کس طرح غلام اُٹھے
سہارے پاس نہیں کیسے احترام کروں
وہ میرے علم کہاں ہیں اُنہیں سلام کروں

حضور کیسے کہوں کچھ نظر نہیں آتا　　حضور آپ کی آواز بن گئی چہرا
حجابِ چشم کئی تیر ہیں مرے آقا　　یہ دل کی بات ہے شاید نظر علانہ سکا
مجھے خوشی ہے جو بے چینیاں اُٹھاتا ہوں
سکینہ پیاسی ہے یہ داغ لے کے جاتا ہوں

حسین دیکھ رہے تھے کہ روشنی نہ رہی　　جگر کے درد نے تڑپا یا دلکشی نہ رہی
جہاں میں تازگیٔ گلشنِ علی نہ رہی　　جو سامنے تھی ابھی تک وہ زندگی نہ رہی
قضا کی سیج پہ خاموش ہو گئے عباس
خود اپنے خون کی چادر پہ سو گئے عباس

حسین لاشۂ غازی سے اس طرح اُٹھے　　کمالِ صبر پکارا حسین کے صدقے
اُٹھا کے بھائی کے بازو جو بھائی نے چومے　　علم پکارا بھرے کے سُرخ ہونٹوں سے
وفا کی راہ میں یوں کوئی کامیاب نہیں
حسین آپ کے عباس کا جواب نہیں

یہ نفسیات کا آئینہ سخنِ قیصرؔ
جہانِ مرثیہ گوئی میں ہے جدید سحر

پڑے نہ ضربِ تعصّب جو دل کے شیشے پر
ضرور قدر کرے گی ادب شناس نظر

وہ زندگی جو غمِ کربلا سے باہر ہے
قسم خدا کی شعورِ وفا سے باہر ہے

سیّدِ مسموم

شہرِ تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے　　صحنِ ماضی کی فضا روح کو تڑپاتی ہے
فکر موسِ منزلِ احساس پہ لے جاتی ہے　　زندگی سبز کفن چاند کو پہناتی ہے
کیا بتاؤں لبِ تحریر سے کیا سُنتا ہوں
شیشۂ دل کے چٹخنے کی صدا سُنتا ہوں

دل ہو ٹکڑے تو زمانے کا گلستاں ہے عبث　　روح مضطر ہو تو آسائشِ دوراں ہے عبث
درد ہی حاصلِ درماں ہو تو درماں ہے عبث　　اشک برسائیں اُجالے تو چراغاں ہے عبث
کتنے عنوان لبعنوانِ فغاں ملتے ہیں
چاند کے جسم پہ زخموں کے نشاں ملتے ہیں

پیکرِ نور ہرے زخم شفق رنگ لہو　　جس طرح صبح کی پلکوں پہ گلابی آنسو
ہر نفس آبِ اجل سے گُلِ فطرت میں نمو　　جس طرح درد کی لہروں پہ تڑپتی خوشبو
کیا عجب رنگ ہے دُنیا کی جفا کوشی میں
پورا قرآن چھپا جاتا ہے خاموشی میں

روشنی خون اگلتے ہوئے کرتی ہے کلام — آدمی دیکھے ماضی کے اندھیروں کا نظام
ارضِ کعبہ سے نگاہوں کا سفر ہے تا شام — صاحبِ عقل کو ملتے ہیں فقط دو پیغام
اک طرف ذہنِ ابو جہل ہے رسوائی ہے
اک طرف احمدِ مرسل ہیں توانائی ہے

زاویے دو ہیں اِدھر صلح اُدھر شعلۂ جنگ — یہاں آئینہ کردار وہاں سنگ ہی سنگ
صبر کی شان اِدھر ہے تو اُدھر جبر کا رنگ — یہاں قرآں کی تفسیر وہاں تیغ و تفنگ
اہلِ حق نازِ براہیم نظر آتے ہیں
سنگ دل سیرتِ آذر پہ مرے جاتے ہیں

چادرِ لفظ و معانی پہ یہ نقشہ کیا ہے — خونِ افکار سیاہی کی طرح پھیلا ہے
وقت ہے مصر کا بازار عجب سودا ہے — کہیں یوسفؑ کہیں یوسفؑ کا خدا بکتا ہے
اب شائستگی کیسے ملے انسانوں میں
آگ ہی آگ ہے احساس کے ایوانوں میں

سر میں سودا ہے ہوس ہو تو کہاں کا انصاف — گردشِ خوں سے اُبھرتا ہے جفاؤں کا طواف
نشۂ زر جو بناتا ہے دلوں کو حراف — لوگ سورج پہ چڑھاتے ہیں اندھیروں کا غلاف
آدمیت کا ہر انداز بھلا دیتے ہیں
تہمتیں بولتے قرآں پہ لگا دیتے ہیں

بستی بستی پہ سیاست کے طلائی بادل
خام ذہنوں میں اُگاتے ہیں نئی فصلِ عمل
جھلملاتی ہے نگاہوں میں سُنہری فرِ غل
دیکھتے دیکھتے بن جاتے ہیں وحشت کے محل
غم کا خنجر دلِ تہذیب میں گڑ جاتا ہے
جو تمنائی کا بھرا شہر اُجڑ جاتا ہے

کوئی سمجھا ہی نہیں کیا ہے مفادِ ہستی
عظمتِ فکر ہے انسان کی بالادستی
کیا زمانے کی بلندی ہے تو کیسی پستی
آج دنیا سے یہ کہتی ہے خرد کی بستی
یوں زمانے کی سیاست کا خلاصہ دیکھا
شام کے تیر دل میں سورج کا کلیجہ دیکھا

اُف یہ تاریخ حیا سوز جریدوں کیطرح
جس کی تحریر خریدے ہوئے ذہنوں کیطرح
اُف یہ الفاظ کے آئینے صلیبوں کیطرح
فردِ کردار نظر آتی ہے زخموں کی طرح
بات کہتا ہوں تو دُنیائے ادب ہلتی ہے
فکر میں دولتِ شاہی کی چمک ملتی ہے

قریہ قریہ میں لُٹائی ہوئی دولت کا اثر
بزمِ اسلام کی تفریق میں پھیلا گھر گھر
بکنے والوں کی طبیعت میں پنپتا ہوا شر
خیمۂ خیر پہ برسانے لگا تیر و تبر
دل لگایا جو ہر اک فکر نے رُسوائی سے
دیکھتی آنکھ بھی محروم تھی بینائی سے

اہلِ انصاف سے ابتک ہے قلم کی فریاد
لاشِ غیرت پہ اُٹھائی گئی دیوارِ فساد
نور و ظلمت کی طرح دین و سیاست میں تضاد
کیوں چھپائی گئی معصوم لہو کی روداد
لوگ قانونِ ادب توڑ گئے زر کے لئے
روحِ قرآں سے نظر پھیر لی ساغر کے لئے

زندگی کے لئے سورج ہے توانائیِ حق
زرد کرنوں میں ہیں نعماتِ الٰہی کے طبق
کم نگاہوں نے بہر طور بھلایا یہ سبق
صبح کے نور سے ہے سارے جہاں کی رونق
درسِ عبرت ہے یہ تاریخ بھی ذہنوں کے لئے
آدمی پھر گئے سورج سے اندھیروں کے لئے

وقت کی رو میں اندھیروں کے پجاری توبہ
لوحِ اسلام اور الحاد نگاری توبہ
فرشِ مسجد پہ ہوئی بادہ گساری توبہ
بے گناہوں کے لئے گریہ و زاری توبہ
کیا کہوں فکر کے بازار کا منظر کیا ہے
پانی مہنگا ہے پیمبرؐ کا لہو سستا ہے

چشمِ احساس میں موجود ہیں ایسے منبر
جہاں قرآن پہ برسے ہیں مسلسل خنجر
اس اشارے کو سمجھتے ہیں تمام اہلِ نظر
مسجدیں روتی رہیں روتے رہے پیغمبر
دشمنِ حق پہ بڑے دشنام طرازی آئے
کفر کو ناز ہے جن پر وہ نمازی آئے

حالِ دل ہوتا ہے بے حال وہ حالات بھی ہیں   درسِ نفرت بھی ہے الفت کے بیانات بھی ہیں
خون کی نہر بھی ہے امن کے باغات بھی ہیں   غیر ہنستے ہیں وہ رونے کے مقامات بھی ہیں
وردِ آیات ہے اور حرمتِ آیات نہیں
کیا یہ اسلوبِ نظر مرگِ خیالات نہیں

باغ سے پیار کیا اور گُلِ تر چھوڑ دیئے   شاخ کو چوم لیا برگ و ثمر چھوڑ دیئے
عشقِ مخزن میں رہے لعل و گہر چھوڑ دیئے   آسماں دیکھ لیا شمس و قمر چھوڑ دیئے
یہ تفاوت یہ تغیر یہ تبدل کیا ہے
معرفت یہ ہے تو اندازِ تجاہل کیا ہے

آہِ مظلوم بھی حق ظلم کی تلوار بھی حق   عزتِ نفس بھی حق وحشتِ کردار بھی حق
دین کی بات بھی حق کفر کی گفتار بھی حق   ایک معصوم بھی حق ایک گنہگار بھی حق
کسی منزل پہ تمیزِ سحر و شام نہیں
یہ تو اسلام کی توہین ہے اسلام نہیں

روحِ اسلام تو ہے پیرویٔ حکمِ رسولؐ   آل و قرآں کے توسل سے عبادت ہے قبول
کیا یہی ہیں کسی مذہب میں اطاعت کے اصول   آدمی توڑ دے ملت کا مہکتا ہوا پھول
جس کو چوما ہو پیمبرؐ نے صحیفے کی طرح
چشمِ امت میں وہی پھول ہو کانٹے کی طرح

پھول خود پھول سے بیزار ہو ممکن ہی نہیں
نور سے نورِ دل افگار ہو ممکن ہی نہیں
دین اور عدل میں تکرار ہو ممکن ہی نہیں
حق سے حق برسرِ پیکار ہو ممکن ہی نہیں
فکرِ انصاف ہیں حالات سے لڑنا ہوگا
پنجۂ عقل سے مجرم کو پکڑنا ہوگا

اپنے مذہب کے اصولوں سے محبت ہے جنہیں
وہ کہاں کاٹتے ہیں پیکرِ مذہب کی رگیں
مصحفِ حق ہوں جنہیں اپنے نبیؐ کی باتیں
وہ کہاں توڑتے ہیں شرعِ مقدس کی حدیں
اہلِ باطل نے تو پتھر کی بھی عزت کی ہے
کلمۂ حق سے مسلماں نے بغاوت کی ہے

اس بغاوت سے ابھی تک بشریت ہے اداس
اس بغاوت کا نتیجہ ہے زوالِ احساس
اس بغاوت سے زمانے میں ہے طوفانِ قیاس
اس بغاوت نے عدالت کو دیئے خوف و ہراس
کیوں بھروسہ نہیں انصاف کے ایوانوں پر
اس بغاوت کا تسلط ہوا میزانوں پر

اس بغاوت کو رگِ عقل پہ خنجر سمجھو
اس بغاوت کو روایات کا آذر سمجھو
سینۂ ارض پہ تخریب کا محور سمجھو
اس بغاوت کو سیاست کا مقدر سمجھو
نام ابھرا اسی تحریک میں دیوانوں کا
اس بغاوت نے لہو پی لیا فرزانوں کا

اس بغاوت کی کڑی دھوپ میں گلزار جلے
اس بغاوت کی قلمرو میں فسادات پلے
کبر و نخوت اسی تقصیر کے سانچے میں ڈھلے
اِس بغاوت میں کٹے اہلِ دیانت کے گلے
دہشتِ وقت نے بازارِ کرم لوٹ لیا
اس بغاوت نے مورّخ کا بھرم لوٹ لیا

اِس بغاوت سے ہے تاریخ کے ہونٹوں پہ دھواں
اِس بغاوت سے ہے، دنیا میں اندھیروں کی زباں
اس بغاوت سے ہے پامال وقارِ انساں
اس بغاوت سے زمانے میں ہے باطل کا نشاں
کشتیٔ نوح کا ہم مثل سفینہ لوٹا
اس بغاوت نے محمدؐ کا مدینہ لوٹا

اِس بغاوت کا علم شام کے محلوں سے اُٹھا
جس کو کعبے نے جھکایا تھا وہ گھر پھر اُبھرا
خواہشِ تخت میں انسان خدا کو بھولا
اب خلافت کی قبا تھی ہدفِ اہلِ جفا
ظلم کے نام پہ سجدے ہوئے تکبیر ہوئی
سازشِ کفر بھی شرمائے وہ تدبیر ہوئی

خار کہتا تھا گُلِ تر کی کہانی نہ رہے
جہل کو فکر تھی اعجاز بیانی نہ رہے
شورِ صحرا تھا کہ بارش نہ ہو پانی نہ رہے
میکدہ کہتا تھا کوثر کی روانی نہ رہے
دلِ مقصد میں یہ ارمان لڑائی دیکھوں
بُت کی خواہش تھی کہ پتھر کی خدائی دیکھوں

جس نے بہتر کے خداؤں کو کیا نقّاشِ اتار   اُس یداللہ سے تھی بولہبوں اکی پیکار
جنگِ صفین میں لہرائی تھی جس کی تلوار   صرف اُس شیرِ الٰہی سے کلیجے تھے فگار
آرزو یہ تھی کہ تکمیل عداوت ہو جائے
ختم ہو آلِ نبیؐ دین سے فرصت ہو جائے

یہ عداوت تھی جو بربادیٔ گلشن ٹھہری   یہ عداوت تھی جو تخریب کا مخزن ٹھہری
یہی تدبیر ہم آوازِ برہمن ٹھہری   یہ عداوت تھی جو اسلام کی دشمن ٹھہری
ہر نظر مائلِ تفریق تو گھر گھر فرقے
اس عداوت نے دکھائے ہیں بہتر فرقے

اس تصور سے بہے جاتے ہیں غم کے آنسو   زندگی بھر نہ تھمے اہلِ کرم کے آنسو
کوئی پڑھتا نہیں قرطاس و قلم کے آنسو   صاف کہتے ہیں شہنشاہِ امم کے آنسو
جس کا ہر پھول ہے قرآں وہ چمن لوٹ لیا
دستِ امت نے پیمبرؐ کا کفن لوٹ لیا

کلمہ گو جس کو سمجھتے ہیں بہارِ اسلام   جلوہ افروز ہے قربانیٔ معصوم کا نا[م]
آج کہتے ہیں جسے ختمِ نبوّت کا نظام   خونِ تہذیب سے ہے پوری عمارت کا قیا[م]
غور سے دیکھئے ماضی کی زبوں حالی میں
زہر کا رنگ بھی ہے باغ کی ہریالی میں

کیا بُھلائے گا کوئی گلشنِ زہرؑا کی ہوا — جس کے صدقے سے ملی دین کے پھولوں کو بقا
باغِ اسلام کی ہر شاخ سے آتی ہے صدا — روحِ گلدستۂ وحدت ہے حسنؑ سبز قبا
مجتبیٰ ایک ہے توحید کے گنجینے میں
دیکھئے جلوۂ الحمد اِس آئینے میں

وسعتِ فکر نہیں مدحِ حسنؑ کیا لکھوں — کس طرح کیفیتِ عرشِ معلیٰ لکھوں
ذہن کہتا ہے رسولوں کی تمنا لکھوں — دل کا اصرار ہے اللہ کا منشا لکھوں
مصحفِ نور کا جس وقت خیال آتا ہے
قاریٔ فکر اس آیت پہ ٹھہر جاتا ہے

یہ وہ آیت ہے جسے دین کا عنوان کہوں — اِسی عنوان کو معبود کا احسان کہوں
شاعری میں اِسے جبریل کا دیوان کہوں — آیتِ مدحِ حسنؑ ہے جسے قرآن کہوں
حاصلِ پیکرِ تخلیق یہی صورت ہے
جو وظیفہ ہے خدا کا وہ یہی آیت ہے

اُس مصور کی قسم جس نے بنائی تصویر — حسنِ تصویر یہ کہتا ہے کہاں اِس کی نظیر
یہ وہ سورۂ رحمٰن سے بولی تقدیر — یہ وہ تکبیر ہے بے مثل ہے جس کی تصغیر
نورِ دو نقش اِک آئینہ اعجاز میں ہے
یہی گوہر ہے مگر دوسرے انداز میں ہے

دونوں انداز ہیں اک مصحفِ ربِّ کونین — ایک مصحف میں ہے سرمایۂ حسن دارین
حسن دارین ہیں زہرا کے یہی نورالعین — ایک صورت ہے حسن دوسری صورت ہے حسین
اِسی تحریر سے قدرت نے محبت کی ہے
اِسی قرآں کی پیمبرؐ نے تلاوت کی ہے

اِسی قرآن کے دو نام ہیں تفسیر ہے ایک — اِسی تفسیر کے دو چاند ہیں تنویر ہے ایک
دو معزز ہیں مگر شیوۂ تقریر ہے ایک — اِس کے دو رُخ نظر آتے ہیں یہ تصویر ہے ایک
رزم میں آئے یہ تصویر تو حیدر کہہ دو
زینتِ بزم اگر ہو تو پیمبرؐ کہہ دو

اُس کی تعریف میں قاصر ہے زبانِ انساں — جس نے چوسی ہو شہنشاہِ رسالت کی زباں
اُس کے معیار شرافت پہ شرافت قرباں — جو مشیت سے ہو سردارِ جوانانِ جناں
معرفت ہو تو اِسے عظمتِ فن کہتے ہیں
سیرتِ احمد مرسل کو حسن کہتے ہیں

میں گنہگار کہاں اور کہاں ذکرِ معصوم — مجھ سا بے علم کہاں اور کہاں معراجِ علوم
جس کی راہوں میں بھکاری ہوں مہ و مہر و نجوم — اُس کی توصیف سے وابستہ ہے میرا مقسوم
خضر کی طرح سے میں راہِ بقا پاؤں گا
یا علیؑ کہہ کے منازل سے گذر جاؤں گا

کاوشِ طبع سُنیں حسنِ طبیعت والے
جدّتِ شوق ہے کیا دیکھ لیں جدت والے
سامنے آئیں زمانے کی سیاست والے
یہ عبارت لکھیں اسلام کی غیرت والے
سنگ ریزہ کبھی سورج نہیں کہلا سکتا
صُبح پر شام کا الزام نہیں آ سکتا

صبح کا نور ہے، فرزندِ رسولِ اعظم
ہاں اِسی نور سے قائم ہے شریعت کا بھرم
کیا خریدے گا کوئی اہلِ حقیقت کا قلم
حق نگارانِ زمانہ یہ لکھیں گے باہم
پڑھ لیا کلمۂ توحید سیاست کے لیے
لوگ اسلام بھی لائے تو حکومت کے لیے

خونِ حیدر سے ملا تھا جو ریاست کو سُرور
نخوتِ عیش بڑھی تیز ہوا کیفِ غرور
وہ شریعت جسے کہتے ہیں خدا کا دستور
حاکمِ شام یہ کہتا تھا مٹاؤں گا ضرور
سر میں سودا جو بڑھا خونِ حُسینؑ کی خاطر
فوج بڑھنے لگی تخریبِ چمن کی خاطر

مقصدِ فوج تھا زنجیرِ خلافت ٹوٹے
روشنی ختم ہو معیارِ صداقت ٹوٹے
ساغرِ عیش رہے جامِ شریعت ٹوٹے
جو مسلمان بنائے وہ قیادت ٹوٹے
اس طرح دولتِ دنیا کی فراوانی ہو
صبح محکوم رہے شام کی سُلطانی ہو

قہقہہ زار ہوئے وقت کے آوارہ نظر
جیسے مٹ جائے گی توحید کے جلووں کی سحر
عالمِ رقص میں چلانے لگے بانیٔ شر
بسترِ خاک ہے گلزارِ جناں سے بہتر
کون سجدے کرے پابندیٔ اوقات کے ساتھ
زندگی گھومتی ہے نغمۂ حالات کے ساتھ

اِس طرف گردشِ ہستی پہ شہِ دیں کی نگاہ
جس طرح نبض سے نباض کی فطرت آگاہ
مطمئن قلب کا عالم نہ کوئی آہ نہ واہ
حفظِ مذہب کے لئے ٹھوس اصولوں کی سپاہ
دل میں اک دردِ ہر انساں کی بھلائی کے لئے
جس طرح بھائی کو احساس ہو بھائی کے لئے

مسندِ احمدِ مرسلؐ پہ نواسے کا عمل
پوری اُمت کے لئے نورِ خدا کی مشعل
ہر نظر ضبط کی میزان تو ہر بات اٹل
عدل و انصاف میں وہ رنگ نہیں جس کا بدل
ہر ادا آئینۂ نہجِ بلاغت ٹھہرے
لفظ ہونٹوں سے نکل جائے تو آیت ٹھہرے

گفتگو میں وہ فصاحت کہ فصاحت قرباں
وہ شناسائے مروّت کہ مروّت قرباں
اجنبی سے وہ محبت کہ محبت قرباں
وہ سراپائے امامت کہ امامت قرباں
مسکراہٹ میں مزہ جھومتے پھولوں کی طرح
اور متانت کا یہ عالم کہ رسولوں کی طرح

کسی محتاج کے چہرے پہ جو پڑتی ہے نظر
شدّتِ غم سے دمک جاتا ہے روئے انور
اس سے پہلے کہ تکلّم ہو سوال آئے اِدھر
فکرِ محتاج مٹا دیتا ہے زہرا کا پسر
قدرِ مخلوق عجب رنگ سے کی جاتی ہے
دل کی تحریر نگاہوں سے پڑھی جاتی ہے

حسنِ اخلاق کے جلوؤں سے دلوں کی تسخیر
جس طرح کون و مکان زلفِ رسالتؐ کے اسیر
اپنے دشمن کے لئے آب و غذا شربت و شیر
حیدری ظرفِ کرم کی متکلّم تصویر
کیا کہوں پیکرِ اخلاق سے کیا لے کے گیا
زخم دینے کوئی آیا تو دعا لے کے گیا

کان میں آگئی جس دم کسی بے کس کی صدا
دردِ امت میں پیمبرؐ کے کلیجے نے کہا
غیر ممکن ہے کہ بہہ جائے لہو کا دریا
غیر ممکن ہے کہ شہروں کو بناؤں صحرا
باغِ زہراؑ لٹے قائم پہ یتیمی آئے
پیاری امت کے گلستاں میں نہ آندھی آئے

وارثِ رحمتِ کونین کا امّت سے کلام
اے مسلمانو سنو میں ہوں زمانے کا امام
میری نظروں میں ہیں محمدؐ کی ریاست کا نظام
میرے لشکر کی صفوں میں ہیں ہزاروں اصنام
کتنی آنکھیں ہیں بظاہر جو مری راہ میں ہیں
مجھ کو معلوم ہے یہ اور کسی چاہ میں ہیں

اے مسلمانو مرے سامنے ہیں وہ چہرے
اپنی آنکھوں پہ جو ڈالے ہیں ہوس کے پردے
جن کے اعمال کی قیمت ہوں سنہری سِکّے
اُن کو اپنا کبھی کہتے نہیں وحدت والے
حوصلے پست ہیں تیغیں ہیں غلافوں کے لئے
یہ بُرائی تو کھلا زہر ہے اچھوں کے لئے

تم مسلماں ہو کہو اب وہ صداقت ہے کہاں
جسکی تائید کرے خالقِ اکبر کی زباں
جنگِ صفین کے نقصان پہ آنسو ہیں رواں
نہرواں ہیں جو لہو بہہ گیا اب تک ہے گراں
فردِ ہستی پہ ہو اک حرفِ مکرّر کی طرح
اب کبھی آئے ہو تو ہارے ہوئے لشکر کی طرح

اے مری قوم اگر یہ ہے تمنائے جہاد
پھر تمہیں یاد کہاں بدر کے شیدائے جہاد
حمزہؓ و جعفرِ طیار سراپائے جہاد
جن کی ہر سانس کا انداز تقاضائے جہاد
سجدے مقتل پہ سجائے وہ نمازی ایسے
سرخرو ہو گئے میدان میں غازیؓ ایسے

غزوۂ خندق و خیبر میں علیؑ کے یہ تیور
جیسے اسلام کے مقصد پہ محمدؐ کی نظر
کثرتِ فوجِ مخالف سے کوئی خوف نہ ڈر
جراُتِ شیرِ الٰہی یہ سُناتی تھی خبر
جس کو غالب کرے اللہ وہی غالب ہے
دین کا نام علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے

تم کو معلوم ہے میں بھی ہوں حسنؑ ابنِ علیؑ　　میرے سینے میں بھی ہے حوصلۂ نفسِ نبیؐ
آبِ شمشیر میں کچھ فرق نہ جرأت میں کمی　　صرف مجبوریٔ حالات نے صورت بدلی
اب اگر جنگ ہوئی اور ہی نقشہ ہوگا
نہ تو قرآن نظر آئے گا نہ کعبہ ہوگا

حاکمِ شام کی خواہش بھی یہی ہے سمجھا　　خونِ اسلام سے بھر جائے عرب کا صحرا
باغِ حیدر میں چلے ایسی جفاؤں کی ہوا　　پھول ساحل پہ جو مرجھائیں تو روئے دریا
قبر میں احمدِ مرسلؐ کو رلایا جائے
پیاسے غنچوں کو بھی نیزوں پہ اٹھایا جائے

لیکن اس بات کو سمجھا ہی نہیں حاکمِ شام　　باغِ حیدر کی ہواؤں میں پلا ہے اسلام
غیر ممکن ہے مٹائے کوئی وحدت کا نظام　　سیرتِ آلِ محمدؐ سے ہے اللہ کا نام
وقت آیا تو اسی نام پہ محشر ہوگا
پورے قرآں کا عمل سورۂ کوثر ہوگا

اے مسلمانو مجھے علم ہے اب کیا ہو تم　　خوش ہے جس سے دلِ باطل وہ تمنا ہو تم
وقت کے ساتھ جو بہہ جائے وہ سودا ہو تم　　یاس کی دھوپ میں سوکھا ہوا دریا ہو تم
موت سے ڈرتی ہے کس درجہ یہ ساری دنیا
اب فقط صلح کی خواہش ہے تمہاری دنیا

صُلح کا لفظ سُنا تھا کہ مسلمان بولے — امن درکار ہے اب جنگ کی قندیل بُجھے
سامنے پھرتا ہے آسیبِ اجل کون لڑے — زندگی چاہئیے اب خون کا قطرہ نہ بہے
اے محمدؐ کے پسر خوب یہ ساماں ہو گا
صُلح کر لیجئے اسلام پہ احساں ہو گا

الغرض صُلحِ حسنؑ ہو گئی معمارِ حیات — چشمِ اُمّت کو نظر آ گئے آثارِ حیات
فتحِ کردار پہ بولا یہ قلمکارِ حیات — امن نے چھین لیا جنگ سے بازارِ حیات
مڑ گیا موت کا سیلاب وہ تدبیر ہوئی
زندگی فاطمہؑ کے لال کی جاگیر ہوئی

صُلح کے بعد بھی طوفانِ حسد کم نہ ہوا — روحِ کردار پہ اک اور نیا زخم لگا
آدمیت نے کہا ختم ہوئی شرم و حیا — حاکمِ شام نے پیمانِ وفا توڑ دیا
فوقیت مل نہ سکی ظلم کے پیمانے کو
زہر پلوا دیا توحید کے پروانے کو

اُف یہ مکّار زمانہ یہ زمانے کے ستم — گنبدِ فکر کے ٹکڑے ہوں تڑپ جائے قلم
جس کے کردار سے ہو سینۂ اسلام میں دم — ہائے افسوس وہ انساں ہو گرفتارِ الم
جس کے قدموں پہ ریاست کی ہوا گرد ملے
ایسے قائد کو زمانے سے فقط درد ملے

اشک پلکوں پہ اٹھائے ہیں وہ تصویرِ عزا — خوں اُگلتے ہیں امام دو جہاں شاہِ ہُدا
سامنے طشت لئے بیٹھی ہیں بنتِ زہراؑ — جب نکلتا ہے دہن سے کوئی ٹکڑا دل کا
بہتی آنکھوں پہ تڑپ جاتی ہیں کچھ سائے سے
یا علیؑ کہہ کے لپٹ جاتی ہیں ماں جائے سے

بھائی کا گرم لہو دیکھ کے کہتی ہے بہن — کس کی نظروں نے اُجاڑا مری اماں کا چمن
آج پانی کی طرح دیکھتی ہوں خونِ حسنؑ — قے میں سُرخ ہوا پالنے والی کا کفن
اُمتِ شاہِ مدینہ یہ تماشہ دیکھے
طشت میں فاطمہؑ زہرا کا کلیجہ دیکھے

آج زینبؑ کی نگاہوں نے یہ منظر دیکھا — درد کی سیج پہ نانا کا گلِ تر دیکھا
ٹکڑے ٹکڑے جگرِ فاتحِ خیبر دیکھا — موت کے فرش پہ مظلوم برادر دیکھا
سبزۂ زہر پسینے میں جو لہراتا ہے
حشر ہو جائے وہ انجام نظر آتا ہے

اک طرف ماہیٔ بے آب ہیں اُمِّ کلثوم — جیسے کچھ دیر کے مہمان ہوں شاہِ مسموم
خونِ دل روتا ہے زہراؑ کا بھرا گھر مغموم — جیسے پھولوں کو ہے گلشن کی تباہی معلوم
اس طرح قبرِ پیمبرؐ سے ہوا آتی ہے
جیسے اب فخرِ سلیمان کو قضا آتی ہے

دیکھ کر مادرِ قاسم کو یہ کہتے ہیں امام — کیوں پریشاں ہو یہ دُنیا تو نہیں اپنا مقام
میرے گلزار کی خوشبو ہے مرا گُل اندام — نام قاسمؑ کا رہے گا تو رہے گا مرا نام
میں سمجھتا ہوں مرا لال مری عزّت ہے
کام آئے جو مصیبت میں یہ وہ دولت ہے

پردۂ وقت بالآخر یہ سُناتا ہے خبر — صُبح نے آہ بھری اُٹھ گیا زہراؑ کا پسر
شورِ ماتم سے ہلا سرورِ کونین کا گھر — بہنیں بے ہوش ہوئیں ہائے برادر کہہ کر
ہاتھ سینے پہ ہے اور اشک بہاتے ہیں حسینؑ
بھائی رخصت ہوا تابوت اُٹھاتے ہیں حسینؑ

گھر سے تابوت چلا قبرِ پیمبرؐ کی طرف — جیسے دریا کی روانی ہو سمندر کی طرف
ماہِ تاباں کا سفر مہرِ منوّر کی طرف — جیسے پردیس سے آتا ہو کوئی گھر کی طرف
کتنا اچھا ہو گُلِ تر کو چمن مل جائے
اِس مسافر کو بھی اے کاش وطن مل جائے

لیکن اسلام کی بستی میں ہے ساماں کچھ اور — کہہ رہا ہے در و دیوار سے طوفاں کچھ اور
مقصدِ زندگی کچھ اور ہے قرآں کچھ اور — رنگ لائے ہیں خریدے ہوئے انساں کچھ اور
خون رُلایا ہے مدینے کو صنم خانوں نے
تیر مارے ہیں جنازے پہ مسلمانوں نے

آج خوشبوئے گلستاں ہے گلستاں سے الگ   روشنی اشک فشاں ہے مہِ تاباں سے الگ
یوں مسلماں کی حمیت ہے مسلماں سے الگ   کر دیا سورۂ الحمد کو قرآں سے الگ
پانی ممنوع کیا جاتا ہے پیاسے کے لئے
قبرِ نانا کی مقفل ہے نواسے کے لئے

ایسی منزل پہ تڑپتا ہوا صبرِ شبیرؑ   جیسے عباسؑ سے چھینی ہو وفا نے شمشیر
تیغِ مسلم کی ادا حکمِ امامت کی اسیر   پائے عابدؑ میں تحمل کی وہ پہلی زنجیر
بچپنے میں علیؑ اکبر کو جلال آیا ہے
جیسے کچھ پردۂ زینب کا خیال آیا ہے

کچھ نہالانِ علیؑ دیکھتے ہیں تیر و تبر   کچھ جواں روتے ہیں تابوت پہ رکھے ہوئے سر
جائزہ لیتی ہے ابنِ حنفیہؓ کی نظر   تیغ تولے ہوئے تیار ہیں ابنِ جعفرؑ
منتظر سب ہیں امامت کا اشارہ ہو جائے
ہر طرف خون کی بارش کا نظارہ ہو جائے

ناگہاں سبطِ پیمبرؐ کو یہ ملتا ہے پیام   میرے ماں جائے ہمیں جنگ سے مطلق نہیں کام
آج نانا کی لحد پر ہیں وہی بد انجام   جنکو ضد ہے کہ بُجھائیں گے چراغِ اسلام
سب کو لے جائیے مخدومۂ دوراں کے قریب
بھائی کی قبر بنا دیجئے اماں کے قریب

رُخِ تابوت ہوا مرقدِ زہراؑ کی طرف — جیسے کعبے کی نظر گنبدِ خضرا کی طرف
مُڑ گیا سیلِ وفا مرکزِ ملجا کی طرف — آیتیں بڑھنے لگیں آیتِ کبریٰ کی طرف
جس سے نکلا ہے کلیجہ وہ دہن چومتی ہے
مامتا اپنے مسافر کا کفن چومتی ہے

سرِ تابوت ہے افسردہ ہواؤں کا سُخن — مامتا چوم رہی آج اپنے مسافر کا کفن
لیکن آئندہ ہے غربت میں وہ رودادِ محن — دھوپ سینے سے لگائے گی شہیدوں کے بدن
بے ردا بیٹی کی فریاد سُنیں گی زہراؑ
اپنے بکھرے ہوئے پھولوں کو چُنیں گی زہراؑ

آج شبیرؑ ہیں اور قبرِ حسنؑ کی تعمیر — کل پسِ قتل بھی تیروں پہ رہیں گے شبیرؑ
آج تو ایک ہی تابوت پہ مارے گئے تیر — کل بہتّر کے گلوں پر ہے ستم کی شمشیر
آج مغموم بہن بھائی پہ گریاں ہوگی
کل بھرے گھر کے لئے شامِ غریباں ہوگی

آج پُرسے کے لئے آئیں گے وابستۂ غم — کل قیامت ہے جلے خیمے ہیں اور اہلِ حرم
آج موجود ہے سب حیدری شیروں کا حشم — کل بھرے شہر میں کانٹوں پہ ہیں عابدؑ کے قدم
آج اک چاند مدینے میں چھپانا ہوگا
کل نبیؐ زادیوں کو سر کھُلے جانا ہوگا

آج زینبؑ کے لئے گھر ہے مدینہ ہے مگر کل وہ منزل ہے جہاں روئے گی روحِ شبیرؑ
دونوں بازو میں رسن بالوں کا پردہ رُخ پر مرغِ بسمل کی طرح صاحبِ غیرت کی نظر

شام کی راہ میں ایسا بھی مقام آئے گا
جہاں عباسؑ کا سر نیزے سے گر جائے گا

عرفانِ امامت

کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچیئے
کیا ہے علاجِ ذہنِ پریشاں یہ سوچیئے
پہنچی کہاں پہ گردشِ دوراں یہ سوچیئے
کیا کہہ رہی ہے نبضِ مسلماں یہ سوچیئے
ہر سانس اضطراب ہے شعلہ اساس ہے
پانی کے باوجود قیامت کی پیاس ہے

سورج ہے زندگی تو حجابِ غبار کیوں
جلوے تو مستقل ہیں نظر تار تار کیوں
وحدت کی انجمن کے لئے انتشار کیوں
منزل ہے سب کی ایک تو رستے ہزار کیوں
کچھ سوچیئے شعورِ بشر کیوں بدل گیا
کیا غیرتِ عمل کا جنازہ نکل گیا

ماحول کی نگاہ دل آزار کس لئے
ذہنوں کا آسمان شرر بار کس لئے
پورا معاشرہ ہے گنہ گار کس لئے
انسانیت کے حلق پہ تلوار کس لئے
درمانِ درد کیا ہے یہ معلوم ہی نہیں
جیسے زمیں پہ اب کوئی معصوم ہی نہیں

جھوٹی انا کے پردے میں ایمان چھپ گیا — لفظ و بیاں کے رنگ میں انسان چھپ گیا
تحریر خون روتی ہے عنوان چھپ گیا — خاموشیوں میں بولتا قرآن چھپ گیا
بیداریٔ شعور کی دولت نہیں رہی
پڑھ لے جو وقت کو وہ بصیرت نہیں رہی

حیرت ہے دل کا ساز رہے دلکشی سے دور — کہنے کو زندگی ہے مگر زندگی سے دور
یہ سوچئے دلیل ہے کیوں مدعی سے دور — ہم روشنی کے سائے میں ہیں روشنی سے دور
تاریکیوں میں نور کو پہچانتے نہیں
نکلا ہوا ہے چاند مگر مانتے نہیں

ذہنوں میں کھل گئے ہیں بغاوت کے میکدے — روحِ مزاج بن گئے ساغر گناہ کے
الجھے ہوئے ہیں دین سے دنیا کے سر پھرے — ٹکرا گئے پہاڑ سے پانی کے بلبلے
الحاد سے خیال کے شیشے کثیف ہیں
اب آدمی نہیں ہیں خدا کے حریف ہیں

مغرب میں ڈوبتی ہوئی تہذیب کا اثر — مشرق کی حرمتوں کو پھراتا ہے دربدر
اہلِ قلم نے غیرتِ احساس چھوڑ کر — عشرت کے گیت گائے ہیں سورج کی لاش پر
شام و سحر کو عالمِ یک رنگ کر دیا
انسانیت کو دستِ تہِ سنگ کر دیا

عریاں دل و دماغ ہیں شرم و حیا مذاق
ہنستی ہیں بے وفائیاں لفظِ وفا مذاق
پیمانۂ مذاق ہے آیات کا مذاق
غیر خدا شعور ہے نام خدا مذاق
کیا کیا لباطِ فکر پہ تخلیق کار ہیں
آئینے ڈھالتے ہیں مگر خود غبار ہیں

باغِ تخیلات کا اِک اِک شجر قلم
ہر فکر ہیں عقاب حمیت کے پر قلم
اِک جنبشِ قلم سے طبیعت کا سر قلم
یعنی متاعِ نقد جدھر ہے اُدھر قلم
آوارہ ولولوں کی اشاعت کا دور ہے
انسانیت ہے اور قلمکار اور ہے

فصلِ خزاں ہے قدرِ گلاب و سمن گئی
اب تلخیاں ہیں لذتِ کام و دہن گئی
بدلا نظام شمع گئی انجمن گئی
کیسے کہوں کہ حُرمتِ اہلِ سخن گئی
گویا خلوصِ فکر کے در بند ہو گئے
نا اہل بھی ادب کے خداوند ہو گئے

اہلِ ہوس نے نور کو ظلمت سمجھ لیا
تہذیب کے لہو کو معیشت سمجھ لیا
مذہب کو داستانِ سیاست سمجھ لیا
یعنی حسینیت کو تجارت سمجھ لیا
اکثر اسی خیال میں اہل ہنر ملے
نقدِ رضا ملے نہ ملے نقدِ زر ملے

کاغذ کے پیرہن پہ سجائے ہوئے خطاب   الفاظ میں بسائے ہوئے کاغذی گلاب
دولت کی خواہشوں میں چھپائے ہوئے کتاب   باطن رُخِ عذاب تو ظاہر رُخِ ثواب
بیکار علم و جہل کے قصّے عجیب ہیں
دینِ خدا کو بیچنے والے خطیب ہیں

آوازِ سنگ ریزہ ہے گوہر کہو مجھے   مفلس کی آرزو ہے تونگر کہو مجھے
قطرہ پکارتا ہے سمندر کہو مجھے   جاہل مُصر ہے علم کا پیکر کہو مجھے
غالب عوام و ہوش پہ ظالم سماج ہے
محکوم ہیں اُجالے اندھیروں کا راج ہے

کہنے کو آدمی ہے ستاروں کا ہم سفر   کہنے کو آج برق کا سینہ ہے رہ گذر
فتحِ قمر سے فاتحِ گردوں ہوا بشر   کہنے کو اہلِ عقل نے کاٹے ہوا کے پر
لیکن بلندیوں میں بڑی پستیاں بھی ہیں
گھبرا رہی ہے روح وہ سرمستیاں بھی ہیں

معلوم ہے خزانۂ گیتی پہ اختیار   معلوم ہے بشر کے تگّبر کی ہر بہار
مٹی کے عطر زار میں دولت کا لالہ زار   دولت کے لالہ زار سے شاہوں کا اقتدار
شاہوں کا اقتدار بھی حق آفریں نہیں
سب کچھ تو ہے دلوں پہ حکومت کہیں نہیں

ہر سمت اشتباہ کے صحرا کی آندھیاں ہر گام افتراق کی منحوس بجلیاں
ہر عالمِ خیال میں نفرت کی بستیاں ہر گفتگو میں زہرِ تعصب کی تلخیاں
کیا اِس شکستِ فکر و نظر کی دوا بھی ہے
طوفاں میں ہے جہاز کوئی ناخدا بھی ہے

دریا بھنور پہاڑ بھنور، گلستاں بھنور صحرا بھنور، درخت بھنور، بستیاں بھنور
سورج بھنور ہے چاند بھنور کہکشاں بھنور انسان کے لئے ہیں زمیں آسماں بھنور
لازم ہے زندگی کے لئے آسرا ملے
کہتی ہیں مشکلیں کوئی مشکل کُشا ملے

یہ زندگی یہ کشمکشِ زندگی عبث جھوٹی انا کا زعم عبث سرکشی عبث
قدرت کی بارگاہ سے یہ بے رُخی عبث جلوے تلاش کیجئے تیرہ شبی عبث
شمس و قمر کی روح کو پہچان لیجئے
قرآن بولتا ہے اِسے مان لیجئے

حق آگہی کا نام رہِ مستقیم ہے حُسنِ عمل شریعتِ عقلِ سلیم ہے
یہ فیصلہ بہ فکرِ جدید و قدیم ہے حق جس کے ساتھ ہے وہی رہبر عظیم ہے
رہبر کی ذات جس کے لیے معتبر نہیں
اُس قافلے کے واسطے شب ہے سحر نہیں

فکر و نظر کی تیز شعاعوں کے باوجود
اہلِ نظر سمجھ نہ سکے رازِ ہست و بود
کیا عالمِ غیوب ہے کیا منزلِ شہود
دونوں جہاں بغیر معلّم ہیں بے نمود
یعنی وجود میں کوئی ایسا بشر بھی ہو
جس کو تمام شہرِ عدم کی خبر بھی ہو

بخشے جو زندگی وہ سخن لاجواب ہے
روشن ہو جس سے دل وہ نظر آفتاب ہے
دنیا تو ہر قدم پہ ثواب و عذاب ہے
کامل ہو رہنما تو سفر کامیاب ہے
ایسا تو راہِ حق میں کوئی حق شناس ہو
فتحِ مباہلہ کی سند جس کے پاس ہو

وہ بندگی ملا جسے انسانیت کا نام
وہ روشنی جو مقصدِ قرآں ہے لاکلام
وہ صبح جس کے نور سے ٹوٹا غرورِ شام
وہ سلطنت کہیں جسے اللہ کا نظام
ایسے نظام کے لئے رہبر بھی چاہیئے
جب شہرِ علم ہے تو کوئی در بھی چاہیئے

لاریب شہرِ علم ہے ختمِ رسُل کی ذات
محبوبِ کردگار کا صدقہ ہے کائنات
لیکن پکارتا ہے یہ گلزارِ شش جہات
بعدِ رسُولؐ کون ہے اسلام کی حیات
کیا ہے دلیل ختمِ نبوت کے واسطے
کوئی تو مستحق ہو امامت کے واسطے

منزل یہی تو امرِ بصیر و علیم ہے
عہدہ یہی تو رازِ الف لام میم ہے
حاصل جسے مشیتِ ربِّ کریم ہے
منصب یہی تو بعدِ رسالت عظیم ہے
اب کیوں کسی بشر کی نگاہوں کو بھول ہو
لازم ہوا امام بھی نفسِ رسولؐ ہو

ہاں اب سمجھ میں آئے گا قدرت کا یہ نظام
منظر میں آگیا ہے "اولی الامر" کا پیام
آنکھوں سے کچھ نشانیاں ہوتی ہیں ہمکلام
اب آیئے تلاش کریں کون ہے امام
جو کچھ نگاہِ شوق کہے دل وہی کہے
کعبہ خیال میں ہو زباں یا علی کہے

تاریخ کے پردے پہ اڑیں ہر دیاریں
ہر عالمِ وجود میں ہر جلوہ زار میں
گھومیں نگارخانۂ دلیل و نہار میں
آجائیے لطف خانۂ پروردگار میں
خود حاصلِ شرف پہ شرف بولنے لگے
موتی ہے لاجواب صدف بولنے لگے

پوچھیں خدا کے گھر سے محمدؐ کے نام پر
تو ہی بتا کہ تاجِ امامت ہے کس کے سر
یہ زندگی ہو جسکی اطاعت میں بہرہ ور
کس ماں کا نورِ عین ہے کس باپ کا جگر
کعبہ کہے گا بنتِ اسد سرفراز ہے
عمران کے پسر پہ امامت کو ناز ہے

آواز آ رہی تھی درِ کعبہ سے بار بار عمران کے پسر کو ہے کعبے پہ اختیار
حاصل ہوئی ہے کس کو یہ دستارِ افتخار بنتِ اسد کا چاند ہے مرضیِ کردگار
پہچان کر نیابتِ خیر الانام کو
دیوار نے سلام کیا ہے امام کو

دیکھا ہے کس نگاہ نے بچے میں یہ کمال جس کی ادا پہ ناز کرے آمنہ کا لال
وہ تین دن کی عمر وہ قرآن کے سوال یعنی رسالت اور امامت میں اتصال
مطلب یہ تھا قیادتِ حق ناتواں نہیں
پابند ماہ و سال امامِ زماں نہیں

سنئے بغور صحنِ حرم کی گواہیاں اک شیر خوار میں ہیں امامت پناہیاں
اژدر کی شکل وقت کی اژدر نگاہیاں دستِ خدا ہے غیرِ خدا کی تباہیاں
دو انگلیاں جو کلۂ اژدر میں آگئیں
تاریخ کو رہینِ امامت بنا گئیں

طفلی کے حوصلوں کا شگوفہ بھی یاد ہے وحدت نمائیوں کا سلیقہ بھی یاد ہے
لات و ہُبل کی گرد کا قصہ بھی یاد ہے دنیا کو یادگار طمانچہ بھی یاد ہے
مشرکِ جو تھا امام کے غصے میں گھر گیا
منہ کیا پھرا دماغِ ابو جہل پھر گیا

پڑھ لیجئے تقدسِ کعبہ پہ ہے رقم
اسلام کی بقا ہے محمدؐ کا ابنِ عم
یہ بات کیا چھپائیں گے صدیوں کے پیچ و خم
عمران کے لہو سے ہے دینِ خدا میں دم
محبوب پر فدا ہو محبت یہی تو ہے
زندہ رہے رسولؐ امامت یہی تو ہے

اسلام کی طرح سے امامت کا قد بڑھا
دینِ خدا امام کی صورت جواں ہوا
پھولی پھلی ریاضتِ سلطانِ انبیاءؐ
توحید کے جمال سے رنگِ جہاں کھلا
انسانیت کا درس ملا کائنات کو
حسنِ تغیرات نے چوما حیات کو

انگڑائیاں امام نے لیں آگیا شباب
خوش ہو گئے رسولؐ اترنے لگی کتاب
آئی سرِ امام پہ دستارِ انقلاب
پھیلا دیا رسولؐ نے توحید کا نصاب
ہر سنگدل خدا کی خدائی دھواں ہوئی
دربارِ ذوالجلال میں پہلی اذاں ہوئی

خوشبو کی قدر کیا ہے گلِ تر سے پوچھئے
آئینہ کیا ہے چشمِ سکندر سے پوچھئے
کیفِ سخن کو طبعِ سخنور سے پوچھئے
کعبے کا حال دوشِ پیمبرؐ سے پوچھئے
کافی ہے یہ امام کی پہچان کے لئے
قرآں رحل ہو گیا قرآں کے لئے

ظاہر ہوا جو عرشِ نبوت پہ بت شکن　　کاٹے خدا کے ہاتھ نے پتھر کے پیرہن
تصویرِ یاس ہو گئے خاموش اہرمن　　وحدت نے ہر طرف سے پکارا یہ من لدن
ڈنکا بجا زمیں پہ رسولِ انام کا
گونجا خدائی بھر میں تعارف امام کا

حاصل جسے قضا و قدر وہ امام ہے　　قبضے میں جس کے شام و سحر وہ امام ہے
رکھے جو آسماں کی خبر وہ امام ہے　　شاہد ہوں جس کے خیر بشر وہ امام ہے
زنجیرِ وقت کھینچ لے جذبِ نگاہ سے
سورج کو حکم دے تو پلٹ آئے راہ سے

پل میں جو انقلاب کرے وہ امام ہے　　ہر شے پہ جس کا حکم چلے وہ امام ہے
جو درس جبرئیل کو دے وہ امام ہے　　قرآں جسے امام کہے وہ امام ہے
آئے نہ فرق جس کے خضوع و خشوع میں
خیرات کردے مہرِ سلیماں رکوع میں

جس کا وجود روحِ جہاں وہ امام ہے　　لوح و قلم ہوں جس پہ عیاں وہ امام ہے
آیاتِ حق ہوں جس کا بیاں وہ امام ہے　　جس کی زباں خدا کی زباں وہ امام ہے
تیار ہو جو خطبۂ وحدت کے واسطے
قرآں نے الف کی حکایت کے واسطے

بنیادِ حق ہو جسکی وِلا وہ امام ہے — جس کا لقب ہو عقدہ کشا وہ امام ہے
پہنے جو "انما" کی قبا وہ امام ہے — پیغمبری ہو جس کی ادا وہ امام ہے
دشمن کا دل بھی جس کے لئے حق لگی کہے
سو جائے میٹھی نیند تو دنیا بنی کہے

شمس و قمر ہوں جس کے سبب وہ امام ہے — عشقِ خدا ہو جس کی طلب وہ امام ہے
مرضی ہو جسکی مرضیٔ رب وہ امام ہے — اعلیٰ ہو سب سے جس کا نسب وہ امام ہے
تارِ نظر سے قلبِ فلک میں رفو کرے
حکمِ امام ہو تو زمیں گفتگو کرے

چہرہ ہو جس کا حسنِ ازل وہ امام ہے — تھرائے جس سے دیوِ اجل وہ امام ہے
کردے جو تلخیوں کو عسل وہ امام ہے — خیر العمل ہو جس کا عمل وہ امام ہے
چاہے تو سنگ ریزوں کو اہلِ سخن کرے
آتش کدے کو ایک نظر میں چمن کرے

مثلِ نبیؐ ہو جس کا چلن وہ امام ہے — ڈر جائیں جس سے رنج و محن وہ امام ہے
پانی کو کردے لعلِ یمن وہ امام ہے — موتی ہو جس کا آبِ دہن وہ امام ہے
سوکھے ہوئے شجر کو نئے برگ و بار دے
تاریکیوں کو نور خزاں کو بہار دے

آب رواں ہو جسکی زمیں وہ امام ہے   جو فرش پر ہو عرش نشیں وہ امام ہے

حق الیقیں ہو جس کا یقیں وہ امام ہے   جس کے بغیر دین نہیں وہ امام ہے

تاریخ کیا بھلائیگی اس انتظام کو

خیبر میں مصطفیٰؐ نے بُلایا امام کو

محوِ سخن ہوں جس سے شجر وہ امام ہے   دیوار جس کے واسطے در وہ امام ہے

تحت الثریٰ کی جس کو خبر وہ امام ہے   کاٹے پہاڑ جس کی نظر وہ امام ہے

یوں ارتقائے فکرِ رسالتؐ مآب ہو

لیٹے زمین پر تو لقب بوترابؑ ہو

تیغیں ہوں جسکی راہ گذر وہ امام ہے   تائیدِ حق ہو جسکی سپر وہ امام ہے

اسلام جس کا دستِ نگر وہ امام ہے   کاٹے جو کُل کفر کا سر وہ امام ہے

یوں ہو عزیز چشمِ رسالتؐ پناہ میں

ایمانِ کُل کا تاج ملے رزمگاہ میں

جس کے قدم کی خاک شفق وہ امام ہے   پڑھ لے جو آسماں کے ورق وہ امام ہے

قدرت ہو جس کا نظم و نسق وہ امام ہے   مٹھی میں ہوں زمیں کے طبق وہ امام ہے

یوں بھی خطابِ دستِ خدا آشکار ہو

لاسیف و لافتیٰ کی صداقت نثار ہو

ایمان و آگہی کے سمندر سے پوچھیے
تکمیل دیں کے آخری منظر سے پوچھیے
میدان میں کجاؤں کے منبر سے پوچھیے
منبر پہ کائنات کے سرور سے پوچھیے
خطبہ تبا رہا ہے رسولِ انام کا
جشنِ غدیر بھی ہے قصیدہ امام کا

جیسے برائے باغ مقدر ہے باغباں
جیسے برائے مدرسہ عام ہے مثلِ جاں
جیسے کسی بزرگ سے تنظیم خانداں
جیسے برائے سلطنتِ اک شخص حکمراں
تو بالکل یہی شریعت حق کا نظام ہے
روحانیت کے ملک کا حاکم امام ہے

پھیلی ہوئی ہے شمسِ رسالت کی روشنی
یہ روشنی ہے عالمِ وحدت کی روشنی
دنیا سے کم نہ ہوگی یہ قدرت کی روشنی
قرآں کی پاسباں ہے امامت کی روشنی
ہر دور پہ امام ہے قبضہ کئے ہوئے
سورج ہے بارہ چاند کا ہالا لئے ہوئے

تقدیرِ کائنات ہے معصوم کی حیات
ترتیبِ شش جہات ہے معصوم کی حیات
قدرت زباں ہے بات ہے معصوم کی حیات
گویا دلِ حیات ہے معصوم کی حیات
معصوم ہی ادائے مشیّت کا نام ہے
جب تک نظامِ شمس و قمر ہے امام ہے

مقدادؓ حق پرست کے ایقان کی قسم روزِ جزا عدالت و میزان کی قسم
بیداریٔ ابوذرؓ و سلمانؓ کی قسم قرآن کا بیان ہے قرآن کی قسم
کچھ اس میں شک نہیں یہ خدا کا کلام ہے
محشر میں بھی نجات کا باعث امام ہے

حیراں ہوں کیوں مزاج زمانہ علیل ہے ہر ذہن کا علاج دعائے خلیلؑ ہے
دعویٰ مرا غلط نہیں آیت دلیل ہے اکثر نبوتوں سے امامت جلیل ہے
یعنی تمام حمد کی تفسیر ہیں علیؑ
قرآن ایک خواب ہے تعبیر ہیں علیؑ

لیکن ہوس کی راہ میں بھٹکے ہوئے بشر ہر دور میں رہے ہیں حقیقت سے بے خبر
کیا حرمتِ رسولؐ تو کیا خُدا کا ڈر ظالم فروغِ ظلم پہ باندھے رہے کمر
قدرت نے جب یہ حق نہ دیا ظالمین کو
نہلایا بے گناہ لہو سے زمین کو

امت نے قتلِ کعبہ کا بدلہ عجب لیا تیغ و سناں سے دینِ خُدا کا لہو پیا
اسلام کی مدد کا صلہ اِس طرح دیا مسجد میں تاجدارِ امامت کا خوں کیا
اب تک نمازِ فجر کے ہونٹوں پہ آہ ہے
مارا ہے روزہ دار کو سجدہ گواہ ہے

کوفے کی سرزمیں پہ ذرا ڈالیے نظر — نوحہ کناں ہیں مسجد کوفہ کے بام و در
تاریخ کہہ رہی ہے کہانی بچشم تر — رو دیا خدا کے گھر کی طرح فاطمہؑ کا گھر
اشکوں کی نہر شبرؑ و شبیرؑ کے لئے
زخم پدر ہے زینبؑ دلگیر کے لئے

غمگین نمازیوں میں تڑپتی ہوئی نماز — تازہ لہو میں ڈوبا ہوا نازشِ حجاز
وہ درد کی بہار وہ تسبیحِ بے نیاز — دنیا سے کہہ رہا ہے یہ حمدِ خدا کا ساز
اے کلمہ پڑھنے والو قیامت قریب ہے
رخصت ہو روحِ علم وہ ساعت قریب ہے

فریاد کر رہی ہیں مصلے کی سرخیاں — ماتم کریں گی آج تہجد گزاریاں
سن لے کوئی زمین کے ہونٹوں کی سسکیاں — کہہ دیں جو بوترابؑ الٹ جائیں بستیاں
وہ زخم اب لگا ہے کہ جس کا رفو نہیں
قرآن کا لہو ہے علیؑ کا لہو نہیں

منبر سے آ رہی ہے صدا الوداع امیر — حالات کہہ رہے ہیں زمانہ ہوا فقیر
آمادۂ سفر ہے غریبوں کا دستگیر — لٹ جائیں گے یتیم تو مر جائیں گے اسیر
محتاج بھوکے پیٹ جو سوئیں گے رات کو
مولا کے انتظار میں روئیں گے رات کو

صحنِ حرم سرا میں کھُلے ہیں کسی کے بال
آنسو بہا کے کہتے ہیں زہراؑ کے دونوں لال
بابا ہماری پیاری بہن کا ہے غیر حال
چلئے خدا کے واسطے یا شیرِ ذوالجلال
تاخیر اب ہوئی تو قیامت اُٹھائے گی
زینبؑ برہنہ سر ابھی مسجد میں آئے گی

بولے علیؑ چلو مرے لختِ جگر چلو
تاخیر اب نہ چاہیئے نورِ نظر چلو
دل بے قرار ہوگیا جلدی سے گھر چلو
زینبؑ کہیں نکل نہ پڑے تیز تر چلو
عباسؑ سے کہو کہ وہ در پر نظر رکھے
ہم جلد آ رہے ہیں بہن کی خبر رکھے

خیبر کشا کو لے کے جو آئے حسنؑ حسینؑ
اُٹھا حرم سرا میں قیامت کا شور و شین
ٹکرا گئے بلقیع سے سیدانیوں کے بین
ماں جائی سے لپٹ گئے زہراؑ کے نورِ عین
ہر سمت آنسوؤں کا سمندر رواں ہوا
پتھر کی آنکھ روئے وہ منظر عیاں ہوا

زینبؑ نے اپنے باپ کی چھاتی پہ رکھ کے سر
اتنا کہا بتایئے سلطانِ بحر و بر
کس بے حیا نے ہاتھ اُٹھایا حضور پر
میں دیکھتی ہوں پھیل گیا زہر کا اثر
اب زندگی رہے یہ بھروسہ رہا نہیں
بابا یہ زخم وہ ہے کہ جس کی دوا نہیں

بولے ابوالحسنؑ مری بیٹی یہ کیا کہا
تم دیکھتی ہو زخم پدر ہے بندھا ہوا
جراح بھی نصیب ہے مرہم بھی مل گیا
لیکن بڑا غریب ہے مظلومِ کربلا
کیسے کہوں پسر کے لئے کتنے زخم ہیں
جن کا شمار ہو نہ سکے اتنے زخم ہیں

زینبؑ تڑپ کے بولیں میں قربان مرے پدر
سب کی حیات آپ کے سائے میں ہو بسر
بھیا حسینؑ پہ صدقے یہ سارا گھر
کس کی مجال ہے جو اُٹھائے کوئی نظر
جعفر کے نورِ عین ہیں یہ آس بھی تو ہے
سب لوگ اک طرف مرا عباسؑ بھی تو ہے

عباسؑ کا جو نام سُنا رو دیئے علیؑ
مقتل کی سرزمیں کو نظر ڈھونڈنے لگی
منظر میں تھی فرات پہ میت پڑی ہوئی
پانی کے انتظار میں ذریتِ نبیؐ
بیٹھے کمالِ یاس سے آنسو پیئے ہوئے
زہرا کا لال بھائی کے بازو لئے ہوئے

دامن سے اشک پونچھ کے دیکھا اِدھر اُدھر
عباس کو یہ کہہ کے بلایا قریب تر
آ میری غیرتوں کے محافظ مرے پسر
تیرا عمل ہے مقصدِ شبیرؑ کی سپر
مستقلِ حیات میں یہ انتظام ہے
اے نورِ عین تیری وفا میرا نام ہے

عباسؑ اپنی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے　　بابا کے پاس آ کے گلے سے لپٹ گئے
اُبھرے عجب ادا سے محبت کے ولولے　　بیٹے کے ہاتھ شیرِ خدا چومنے لگے
اک مشک رُونما ہوئی غربت کی راہ میں
لہرا گیا علم کا پھریرا نگاہ میں

پلکوں پہ آ کے شامِ غریباں نے کہہ دیا　　یا بوتراب دیکھئے میدانِ کربلا
مقتل میں ہے امام کا لاشہ پڑا ہوا　　لاشے پہ اک یتیم کی سہمی ہوئی صدا
زخمی ہیں کان خشک لبوں پر دُہائی ہے
معصوم اپنے باپ سے ملنے کو آئی ہے

عابدؑ پہ جب نگاہ پڑی تھرتھرا گئے　　زنجیر و طوق ذہن کی دُنیا پہ چھا گئے
دُرّوں کے زخم صورتِ احساس آ گئے　　احساسِ غم کے دائرے زنداں بنا گئے
پوتے کے سر پہ ہاتھ رکھا پیار آ گیا
آنکھوں کے آگے شام کا بازار آ گیا

قاتل کو جام شیر پلایا تو یوں کہا　　شاہد ہے میرے حُسنِ عمل پر مرا خدا
مجھ کو تو آج درد ہے دشمن کی پیاس کا　　کل تین دن کی پیاس ہے اور مرے مرتضا
میں نے تو دُکھ سہے ہیں غریبوں کے واسطے
لیکن مرے غریب ہیں دُرّوں کے واسطے

اُف انقلاب اُف وہ زمانے کی برچھیاں بکھریں گی دھوپ میں مرے پھولوں کی پتیاں
یوں دیکھتا ہوں غیرتِ انساں کی دھجیاں در در پھرائی جائیں گی زہراؑ کی بیٹیاں
نیزوں پہ آفتاب سجے دیکھتا ہوں میں
رسّی میں بیکسوں کے گلے دیکھتا ہوں میں

آخر کفن لئے ہوئے ظاہر ہوئی سحر چھایا غموں کا ابر محمدؐ کی آلؑ پر
آہ و فغاں نے گھیر لیا فاطمہؑ کا گھر زینبؑ تڑپ کے رہ گئیں رخصت ہوئے پدر
فرشِ قضا پہ وارثِ کونین سو گیا
اُم البنین کے بال کھُلے حشر ہو گیا

قنبرؑ غمِ امام ہے وہ سجدۂ وفا جس کی ادا کا نام ہے خوشنودیٔ خدا
دُنیا میں جس بشر کو یہ درِ نجف ملا عقبیٰ کے آسماں پہ درخشاں وہی ہوا
دونوں جہاں میں عزّ و شرف کی نوید ہے
اس غم پہ جو مرا وہی انساں شہید ہے

نمازِ دل

دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے　　دل ہے تو آبروئے سکون و قرار ہے
کیا خوب دمبدم یہ خبر خوشگوار ہے　　دل ہے تو آدمی کی نگاہوں میں پیار ہے
نغمہ بتا رہا ہے محبت کے ساز کا
سارا جہاں قیام ہے دل کی نماز کا

دل ہے تو ہر نفس کا ترنم جوان ہے　　دل ہے تو لفظ لفظ تکلم جوان ہے
معصوم حسرتوں کا تلاطم جوان ہے　　دل ہے تو دل کا حقِ تبسم جوان ہے
خوشبوئے گُل سے نکہتِ احساس پائے گا
دل مُسکرائے گا تو کوئی مُسکرائے گا

دل قلعۂ وجود میں قدرت کا آبشار　　سیراب جس سے روح کا بے مثل لالہ زار
وہ لالہ زار نام کا پیکر عجب شعار　　جس کی ادا پہ عقل کا ہر ارتقا نثار
لائے جواب یہ کسی صانع میں دم نہیں
دل ہی وہ ظرف ہے جو سمندر سے کم نہیں

کہتی ہے فکر دل کا دھڑکنا نہیں فضول
دل صاحبِ ملال تو کُل انجمن ملُول
لیتا نہیں جو غیر کے دامن کی خاک دھُول
دل ہے وہ خود شناس حیادار با اصول
جو اصل ہو وہ جوہرِ قابل نہ بن سکا
دُنیا نے دل بنائے مگر دل نہ بن سکا

اہلِ زباں سمجھتے ہیں یہ نُدرتِ بیاں
دل ہے محاورات میں اُردو زباں کی جاں
دامانِ مرثیہ میں ہے گنجائش جہاں
تہذیبِ غم سے بات کے قابل ہوئی زباں
دل کربلا سے اہلِ قلم نے لگا لیا
ویرانۂ ادب کو گلستاں بنا لیا

دل کے بغیر کچھ بھی نہیں عزتِ قلم
دل کی بلندیوں سے بڑھی رفعتِ قلم
کہتی ہے آج دل کے لیے شہرتِ قلم
قرطاس کو اسی سے ملی دولتِ قلم
دل کو ہے دل سے راہ یہ سچ ہے غلط نہیں
وہ دل نہ ہمکلام ہوں جس میں وہ خط نہیں

تہذیب کی صدا ہے رئیسِ ادب ہے دل
آوازِ خُلق ہے کہ مُروّت نسب ہے دل
عقل اس کی پاسباں ہے دیوانہ کب ہے دل
رشتوں کے احترام کا واحد سبب ہے دل
پھرنا اسی کا وجہ عداوت ہے بیر ہے
دل سے ہوا جو دُور تو اپنا بھی غیر ہے

یہ بات بھی سچی ہے بنام مشاہدات   جس وقت دل دکھانے کی کرتا ہے کوئی بات
ہر لفظ یوں گذرتا ہے دل سے بقدرِ ذات   اک تیر جیسے کاٹ دے گل کی رگِ حیات
کانٹے میں ہو گلاب کی خوشبو کبھی نہیں
کم ظرف دل میں حرمتِ احساس ہی نہیں

کم ظرف دل وہ دل ہے جو پابندِ غم نہ ہو   عیشِ وجود میں جسے خوفِ عدم نہ ہو
یہ سوچ کر کسی کا شریکِ الم نہ ہو   کردار کیا ہے نشۂ سرمایہ کم نہ ہو
جس سے کسی کا زخم جگر مندمل نہیں
انسان کی نظر میں وہ پتھر ہے دل نہیں

دل شمع ہے تجلیٔ محفل اسی سے ہے   تابندگیٔ ذہن اسی روشنی سے ہے
رفتارِ فکر دل کی قیادت روی سے ہے   یوں کہیے زندگی کا مزہ دل لگی سے ہے
جب دل لگی مزاج بنے مومنین کا
ایوانِ دل میں جشن ہو فطرت کے دین کا

آنکھیں چمن کی سیر سے پاتی ہیں جب خمار   دل بولتا ہے رازِ بہاراں پہ ہیں نثار
پھولوں کے آئینے میں ہے تصویرِ زرنگار   خوشبو غزل سرا ہے کہ میں ہوں کسی کا پیار
پیمانۂ الست کی مے کا سُرور ہے
نظارہ کیا ہے دل کی بصیرت کا نور ہے

کلیوں کی انجمن پہ ٹھہرتی ہے جب نظر
کہتا ہے دل سُنے تو کوئی ان کی بھی خبر
اِن بند پتیوں میں ہے گُل کاریٔ سحر
نکلے گا آفتاب تو پھیلے گا نورِ زر

حق بسرہ کے ساز پہ جب گنگنائینگی
کلیاں نسیمِ صبح کو کلمہ سُنائینگی

مستی بھری ہوا میں سرِ شاخ سُرخ پھول
دُنیائے رنگ و بو میں نباتات کا رسُول
دیتا ہے گلستاں کی شریعت کے جب اصول
دل اتنی بات کرتا ہے با جذبۂ قبول

قدرت کی بوسہ گاہ کو تسلیم کیجئے
ہنستے ہوئے گلاب کی تعظیم کیجئے

تحریکِ دل سے ملتا ہے دُنیا کو یہ سبق
ماحول کے جریدے ہیں اچھے بُرے ورق
رکھنا فضائے عدل میں فطرت کا ہر طبق
روشن رہے شعور کا عالم بہ نورِ حق

وحدت جمال آئینۂ آب و گِل بنے
ہر حکمراں اپنی رعیّت کا دل بنے

دل کا نظام کیا ہے ذرا غور کیجئے
پھر ہر انتظامِ وطن لائے دیکھئے
لازم ہے چند زخمِ تمدن بھی سیجئے
پھر جو بلائے غیرتِ احساس پیجئے

لیکن خدائے عدل پہ ایمان بھی رہے
یومِ حساب آئے گا یہ دھیان بھی رہے

دل آدمی کی صورت و سیرت کا پاسباں　　جس طرح آب پھولوں کی نکہت کا پاسباں
دل یوں کسی کے حسنِ شرافت کا پاسباں　　جس طرح آفتاب زراعت کا پاسباں
چہرے کی ہر کتاب میں اپنا بیان ہے
انساں کی زبان میں دل کی زبان ہے

یہ بات جذبۂ دل کے فسانے بتائیں گے　　بے داغ اُلفتوں کے خزانے بتائیں گے
خوشنودیٔ وفا کے ترانے بتائیں گے　　سچی کہانیوں کے زمانے بتائیں گے
جس کو گلے لگا لیا دریا دلی کے ساتھ
دل نے تمام عمر گذاری اسی کے ساتھ

ایسے بھی واقعات ہیں وابستۂ نظر　　دُنیا نے اہلِ علم خریدے بہ نقدِ زر
دل نے ہزار منع کیا ہاتھ جوڑ کر　　لیکن کہاں ہوس کے غلاموں پہ کچھ اثر
جہلِ عمل سے دولتِ دُنیا پہ مر گئے
دل بیچتے ہی قوم کے دل سے اُتر گئے

اک سمت وہ جو قیمتِ دل سے تھے باخبر　　دُنیائے علم کر گئے قربان دین پر
جاہل اُنہیں سمجھتے رہے طالبانِ شہر　　لیکن حسینیت نے کہا میں ہوں راہبر
انسانیت کے شاہدِ عینی وہی تو ہیں
مختار ہوں جو دل پہ حسینی وہی تو ہیں

دولت کے سر پھروں کی مخالف ہے کربلا ایمان کے عروج سے ملتا ہے ارتقا
سمجھا گئے حسین کے انصارِ باوفا جو دشمنِ اصول وہی دشمنِ خدا
جو لوگ دل کے صاف ہیں سیرت میں پاک ہیں
شاہوں کے تاج اُن کی نگاہوں میں خاک ہیں

دل کے معاملے میں اجل بھی ہے خوشگوار کیفِ نگاہ کاٹتا ہے خنجروں کی دھار
عکسِ رُخِ حسینؑ ہو جس دل سے ہمکنار وہ کیفیت ہے آئینۂ عشقِ کردگار
دل سے خدا کے دین کا اک آسمان تھے
پیری میں بھی حبیب حسینی جوان تھے

معیار دل ہے اصل میں پیمانۂ نظر دل مطمئن تو قیمتِ ساماں ہے معتبر
ہر دھوپ چھاؤں دل کی ترازو میں تول کر کہتی ہے عقل جادۂ منزل ہے بے خطر
ہر لمحہ فتحِ فکر و نظر کا شگون ہے
دل چاہیئے سفر میں بھی گھر کا سکون ہے

دنیا بنی ہوئی ہے ستاروں کی ہم سفر تدبیر کاٹتی ہے مسلسل ہوا کے پر
وہم و گماں نہیں مہِ کامل کی رہگذر دل کی لگن نے ڈھونڈ لیا حسن کا نگر
خود اپنی کاوشوں کو مقدر کئے ہوئے
انساں خلا میں تیرتے ہیں دل لئے ہوئے

یہ اور بات چاند سے لائے زمیں پہ خاک — پہلے نظر میں نور تھا اب آستیں پہ خاک
کچھ لوگ یوں بھی ڈالتے ہیں اس یقیں پہ خاک — کیوں پڑ گئی ہمارے خیالِ حسیں پہ خاک
تارے فلک سے توڑ کے لائیں گے کس طرح
اس دل کو چار چاند لگائیں گے کس طرح

انسان کیوں فساد سے بہلا رہا ہے دل — کیوں زندگی میں موت کا خطرہ پا رہا ہے دل
آنکھوں سے خون کس لئے برسا رہا ہے دل — کیوں دن میں رات ہو گئی گھبرا رہا ہے دل
کیسے کہوں شعور کی بستی بسی نہیں
اب روشنی کے شہر میں بھی روشنی نہیں

حیراں ہوں شہرِ خیر سے دل اٹھ گیا ہے کیوں — زنجیرِ شر میں اُمتِ خیر الوریٰ ہے کیوں
انسان اتنی بھیڑ میں تنہا ہوا ہے کیوں — چہرے تمام اپنے ہیں دل کانپتا ہے کیوں
جس پر یقینِ خوف نہ ہو وہ قدم نہیں
بستی کی راہ آگ کے دریا سے کم نہیں

سینے میں جس کے دل ہے وہ انصاف سے کہے — گذرے گی کیا بشر پہ بھرا گھر اگر جلے
مقدور ہو تو چھین لوں رفتارِ وقت سے — معصوم اشک تھک گئے ظالم نہیں تھکے
غارتگرِ دل کا شعلۂ وحشت بجھا نہیں
ہمدم لہو میں ڈوب گئیں دل بھرا نہیں

مرجائے دل جو قصۂ اہلِ وفا نہ ہو ٹھہرے نہ دل جو ذکرِ ثبات آشنا نہ ہو
اچھا نہ ہو مریض جو کامل دوا نہ ہو دل ڈوب جائے سامنے گر ناخدا نہ ہو
آواز دے رہے ہیں بھنور مشکلات کے
لے آؤ کربلا سے سفینے حیات کے

دل ہارنے کی بات نہیں کربلا کی بات دل جیتنے کی بات ہے صبر و رضا کی بات
دل توڑنا ہے اصل میں اہلِ جفا کی بات دل تولنا ہے کنبۂ خیر الوریٰ کی بات
شمعیں بجھا کے فیصلۂ نور کی قسم
دل آفتاب ہے شبِ عاشور کی قسم

کیا دل لبھائینگی یہ زمانے کی رونقیں حاصل ہیں کربلا کے گلستاں کی نکہتیں
اہلِ نگاہ فکر کی تصویر دیکھ لیں پھر جذبۂ خلوص سے بھرپور داد دیں
شرمائے جس سے دل وہ ادائے سخن نہیں
جنت ہے مرثیے کی غزل کا چمن نہیں

شکرِ خدا مجھے بھی شعورِ سخن ملا حاسد کا دل کباب ہو جس سے وہ فن ملا
توصیف و منقبت کا مہکتا چمن ملا کامل ہوئے حواس درِ پنجتن ملا
عزت مری رکھیں گے بفضلِ خدا حسین
میں نے بھی دل کی لوح پہ لکھا ہے یا حسین

دل میں بسا لیئے ہیں شہیدوں کے تذکرے ممکن نہیں کہ اب کسی محفل میں دل لگے
دنیا کے دل بڑھانے سے کیا خاک دل بڑھے محتاج وہ نہیں جسے زہرؑا کا لال دے
سینے میں درد رکھتا ہوں تاثیر کے لئے
دل جانماز ہے غمِ شبیرؑ کے لئے

جب تک بچھی ہے سینے میں یہ جانمازِ دل ہر سانس ہوگا ذکرِ شہادت سے متصل
دُنیا سے کیا حسینؑ کا شاعر ہو مضمحل پا پوش کا غبار ہیں لمحاتِ جاں گسل
کیوں غم کروں فسانۂ تشریح کے لئے
زندہ ہوں یا حسینؑ کی تسبیح کے لئے

دل کیوں نہ مجھے جواں ہے مودّت کی تازگی بے شک یہ تازگی ہے دو عالم کی ہر خوشی
آدم کے لال کو رطبیعت نہ ہوں کبھی تسبیحِ یا حسینؑ ہے تعدیہ پروری
یہ نام اگر ہو دل کی تمنا کے ساتھ ساتھ
عقبیٰ بھی ہاتھ آئیگی دنیا کے ساتھ ساتھ

حاصل ہوا جو دل کے مضامین کا ایاغ پہنچا سخن کے عرش بریں پر مراد ماغ
ایوانِ جستجو میں جلے کچھ نئے چراغ کہیئے جسے اضافۂ مدح و ثنا کا باغ
نادِ علیؑ پڑھی تو قلم جھومنے لگا
لفظوں کے پھول باغِ جناں چومنے لگا

رگ رگ میں دل کی نہر کا منظر تو دیکھئے
منظر میں اک چھپا ہوا محشر تو دیکھئے
نس نس میں ارتباط کا جوہر تو دیکھئے
جوہر میں شانِ خالق اکبر تو دیکھئے
تخلیق کی زبان بتائیگی کیا ہے وہ
دل پڑھ رہا ہے جس کا قصیدہ خدا ہے وہ

دنیائے بندگی کا مکمل نصاب دل
روئے زمیں پہ معدنِ سرِ انقلاب دل
معصوم کے بدن میں خدا کی کتاب دل
دو حرف میں ہے سارے جہاں کا جواب دل
فطرت نے ربط و ضبط کا محور بنا لیا
دل ہی تو ہے خدا نے جسے گھر بنا لیا

شاعر اگر تمام صداقت اساس ہیں
پھر کیوں تخیلات کے چہرے اُداس ہیں
کہدینگے وہ جو اہلِ ادائے سپاس ہیں
جو مرثیہ شناس ہیں وہ دل شناس ہیں
انساں کو نور و نار کا ادراک چاہیئے
دل پاک ہے تو اس کی غذا پاک چاہیئے

کیا منصفانِ فکر نے سوچا کبھی ذرا
ملت ہے کیوں نفاق کی آفت میں مبتلا
کیا سچ نہیں یہ رنگِ طبیعت کا ماجرا
دل میں تو رام رام زباں پر خدا خدا
کہنے کو سب کے ہاتھ میں حبل المتین ہے
لیکن سوادِ غیر پہ کامل یقین ہے

کرتے ہیں لوگ عظمتِ ایماں کی بات جب   بیدار عقل ڈھونڈتی ہے بات کا سبب
کھلتا ہے صحنِ دل میں وہ گلدستۂ ادب   کہتے ہیں جس کو اہلِ خدا نور کی طلب
ذکرِ نبیؐ جو لب پہ ہو سلمانؓ کی طرح
دل بھی عظیم ہوتا ہے قرآں کی طرح

اک منفرد مزاج کا معمار دل ہے دل   اک تحفۂ وفا کا طلب گار دل ہے دل
تصویرِ بندگی کا قلمکار دل ہے دل   خیر العمل کا مطلعِ انوار دل ہے دل
یہ دار پر ہے عیسیٰؑ کردار کی طرح
دل سرخرو ہے میثم تمارؓ کی طرح

عزم و عمل کا ولولۂ پاک دل ہے دل   پائندگیٔ جرأتِ بے باک دل ہے دل
نورِ شعور و قوتِ ادراک دل ہے دل   گویا فلک دماغ سرِ خاک دل ہے دل
ہجرت کی رات نفسِ پیمبرؐ کی نیند ہے
دل بسترِ رسولؐ پہ حیدرؑ کی نیند ہے

کیا خوف کا حصار ہے کیا مشکلوں کے جال   دل آبروئے عقل ہے دل ہمتوں کی ڈھال
یہ لافتیٰ کا حسن یہ لاسیف کا جمال   دل جانتا ہے مقصدِ محبوبِ ذوالجلال
خیبر کی فتح اس کے نظامِ جلی میں ہے
دل کا معاملہ ہے جو نادِ علی میں ہے

دل ہے خدا کی راہ میں احسان کی سبیل ہمدردیوں میں ہے یہی جاگیر خود کفیل
قنبرؓ ہو جب خدائے نصیری کا جبرئیلؑ دل ہل اتیٰ کی روح کا سرمایۂ خلیلؑ
محتاج پر سخی کی عنایت سے پوچھیے
دل کیا ہے مرتضیٰؑ کی سخاوت سے پوچھیے

حیراں نظامِ فکر ہے کیوں دل کی بات پر دل ہی تو ہے شعور کی نسبت سے معتبر
پھر دلیل کچھ بھی توقف ہوا اگر بولی مرِ صیام کی انیسویں سحر
آئینہ دار شیر الٰہی کی ذات ہے
قاتل کو جام شیر دیا دل کی بات ہے

دل کربلا میں دین کے پیکر کی آبرو تبلیغِ انبیاء کے گُلِ تر کی آبرو
مظلومیت کی روح پیمبرؐ کی آبرو دل سینۂ حسینؑ میں حیدرؑ کی آبرو
فوجوں کی آندھیوں سے کہاں منتشر ہوا
تشنہ لبی کے سائے میں یہ اور تر ہوا

یاد آگئے حسینؑ کھلی درد کی کتاب آنکھوں میں تڑپے اشک بڑھا اور اضطراب
دریا پہ تین روز کے پیاسے کا انقلاب قاتل شکست یاب تو مقتول فتح یاب
سوکھے گلے نے شہ رگِ خونخوار کاٹ دی
مظلومیت نے ظلم کی تلوار کاٹ دی

ممکن نہیں بشر سے بیانِ دلِ حسینؑ — ذرّہ کہاں اُٹھائے گا میزانِ مشرقین
کہہ دیگی کائنات یہ آوازِ شور و شین — تیرا جواب ہی نہیں زہراؑ کے نورِ عین
ہر غم کی انتہا کو کلیجہ بنا لیا
دل تھا جو لاشۂ علی اکبرؑ اُٹھا لیا

اس پوری کائنات میں اُس دل پہ ہم نثار — جس نے سہا تمام زمانے کا اضطرار
کہتے ہیں کلمہ گو جسے اسلام کی بہار — عاشور کے غریب کا دل ہے بروئے کار
اس حیثیت کا عرشِ تحمل کہاں ملا
ہر لاش پر حسینؑ کا دل آسماں ملا

تنہا کا سب کی لاشوں پہ جانا کمال ہے — ہر لاش کو گلے سے لگانا کمال ہے
سجدے سے پہلے سر نہ جھکانا کمال ہے — خود اپنے دل کے ٹکڑے اُٹھانا کمال ہے
کیسے لُٹا غریب کا گھر دیکھتی رہی
بھائی کا دل، بہن کی نظر دیکھتی رہی

آیا ہے اک خیال بنامِ دلِ حسینؑ — ٹکڑے ہو جس خیال سے فطرت کا پیرہن
دیکھی نہیں فلک نے یہ تقسیمِ جان و تن — وہ دوڑتے سوار وہ پامالیٔ بدن
ایسے میں کیوں نہ شیشۂ دل پاش پاش ہو
چادر میں جمع کی ہوئی قاسمؑ کی لاش ہو

ایسے میں کیا تھی مادرِ قاسمؑ کے دل کی بات
یہ بات کیا بتائیں گے دنیا کے سانحات
کہدیگی مامتا کے لئے گردشِ حیات
شاید نظر میں ہو کوئی دولہا کوئی برات
ارماں تمام صبر کی چادر میں چھن گئے
سہرے کے پھول بنتے ہوئے زخم بن گئے

دل نے ہمیں دیا ہے اطاعت کا وہ نظام
جسکی ادا پہ آیتِ قرآں کرے سلام
سب سے زیادہ پیاس تو سب سے زیادہ کام
دل ہی بتائے کون ہے وہ کیا ہے اُس کا نام
قربان ہوں وفائیں وہ احساس چاہیئے
پیاسا ہو نہر پر دلِ عباسؑ چاہیئے

سینے میں حشر خیز سمندر کے باوجود
رگ رگ میں جوشِ حمزہ و جعفر کے باوجود
انگڑائیوں میں صولتِ لشکر کے باوجود
ہاتھوں میں زورِ فاتحِ خیبر کے باوجود
ہر لمحہ فکرِ سبطِ رسالت مآب تھے
عباسؑ خود قیامتِ دل کا جواب تھے

بازو کٹا کے غالباً آیا ہو یہ خیال
اب ہر طرف سے تیغیں ہیں اور فاطمہؑ کا لال
شاید کیا ہو سوئے فلک دیکھ کر سوال
بچ جائیں شاہِ دیں مری میت ہو پائمال
آنکھوں کے آبشار سے دامن بھگوئیگا
دل ہے تو اس وفا پہ بشر خون روئیگا

آباد جس کی گود ہے وہ ماں مجھے بتائے
کیا حال ہو جو پیاس میں بچہ زباں دکھلائے
جب تیر کھا کے باپ کے ہاتھوں پہ مسکرائے
ماں دیکھتی رہے یہ کلیجہ کہاں سے لائے
نیزے پہ جا کے جھومنا ننھے گلاب کا
اصغرؑ کا سر نہیں تھا وہ دل تھا رباب کا

اصغرؑ کا غم سکینہ کا غم اور غم حسینؑ
بچوں کی یاد گھر کے اجڑنے پہ شور شین
اس طرح جب دکھوں کا سمندر ہو جانبین
قسمت میں پھر کہاں کوئی آرام کوئی چین
دیکھا یہ واقعہ نگرِ آفتاب نے
ساری حیات دھوپ میں کاٹی رباب نے

انساں دلوں پہ ہاتھ رکھیں حال غم سنیں
سب سے سوا حکایت رنج و الم سنیں
گزرے ہیں اہلبیتؑ پہ کیا کیا ستم سنیں
بعد حسینؑ غربتِ اہلحرم سنیں
زہراؑ کا آفتاب چھپا رات ہو گئی
بے وارثوں پہ درد کی برسات ہو گئی

برسات وہ کہ جس سے ہو پانی دل حیات
سناٹا وہ کہ آہ بھرے مرقدوں کی رات
لاشوں کو چوم کر یہ پکاریں مخدّرات
اے کائنات دیکھ غریبوں کی کائنات
قربان ہو گئے جو محمدؐ کے دین پر
وہ حیدری گلاب پڑے ہیں زمین پر

مقتل پہ وقتِ عصر تے لکھدی وہ داستاں ۔ آواز دینگی شام و سحر جس کی سُرخیاں
دل والو کربلا میں ہے تکمیلِ امتحاں ۔ آلِ نبیؐ ہیں غم نبوّت کے پاسباں
فکر و نظر کا مرحلہ آسان ہو گیا
نامِ حسینؑ دین کی پہچان ہو گیا

صحرا میں برچھیوں سے وہ بکھرے ہوئے بدن ۔ کہیئے جنہیں صداقتِ اسلام کا چمن
وہ ناوکوں میں شیرِ الٰہی کے سیم تن ۔ کہیئے جنہیں حفاظتِ قرآں کا بانکپن
گھوڑوں کی زد میں دل تھے علیؑ و بتولؑ کے
پامال ہو رہے تھے صحیفے رسولؐ کے

کچھ اس طرح جلایا گیا بے وطن کا گھر ۔ ناموسِ مصطفٰےؐ نکل آئے برہنہ سر
جلا رہی تھی شامِ غریباں کی چشمِ تر ۔ اے آسماں مصیبتِ زینبؑ پہ کر نظر
کچھ تو کمی ہو مرحلۂ اضطرار میں
سجادؑ طوق پہنے ہوئے ہیں بخار میں

لیکن بخار میں بھی وہ گویائی امام ۔ مجبور رونا تو اں مجھے سمجھی ہے فوجِ شام
ہوتے دو میرے ضبط کی تلوار بے نیام ۔ لائے گا نورِ صبحِ نئی جنگ کا پیام
کیا ہے ثباتِ دل یہ عمل سے بتاؤں گا
میں بیڑیاں سنبھالے ہوئے شام جاؤں گا

ہر سمت خاک اڑاتی ہوئی ماتمی ہوا — نوحہ سُنا رہی تھی لبنوانِ کربلا
یارب ترے جہاں میں وہ انسان لٹ گیا — اب جسکی بے کسی پہ ترا دین رہنے گا
تصویرِ غم فضائے محرم دکھائے گی
زینبؑ کا ذکر شام غریباں سُنائے گی

جز خواہرِ حسینؑ کہاں اِس طرح کا دل — ہاں شیرِ فاطمہؑ ہے مشیت سے متصل
گذرا ہے وقت ایسے کبھی شعلوں پہ مشتمل — جل جائے ایک لمحے میں تصویرِ آب و گِل
بھڑکی ستم کی آگ جو گرداب کی طرح
زینبؑ کا صبر چھا گیا سیلاب کی طرح

دُنیا میں بے مثال شجاعت کے واقعات — بے مثل صاحبانِ بصیرت کے واقعات
تاریخ ساز اہلِ قیادت کے واقعات — قانونِ کبریا کی حفاظت کے واقعات
اسلام کے ستون ہیں جو سب کے سامنے
جھک گئے ہیں قوتِ دلِ زینبؑ کے سامنے

زینبؑ کا دل حسینؑ کی بیداریوں کا نام — زینبؑ کا دل حسینؑ کی بصیرت کا انتظام
زینبؑ کا دل علیؑ کے کمالات کا قیام — زینبؑ کا دل جسے دلِ زہراؑ کرے سلام
تا حشر ہے یہ فیصلہ ہر انقلاب کا
زینبؑ کو دل ملا تھا رسالت مآب کا

کوئی نہ تھا جو پوچھتا زینبؑ کے دل کا حال
تاریکیاں تھیں اور یتیموں کی دیکھ بھال
سوئے فرات دیکھ کے اتنا کیا سوال
عباسؑ اب تمہیں بھی نہیں ہے مرا خیال
خواہر کے پاس دولتِ خواہر نہیں رہی
تم جس کے پاسباں تھے وہ چادر نہیں رہی

بے شک دیارِ شام کے شہروں سے پوچھیئے
ہر شہر میں سجے ہوئے رستوں سے پوچھیئے
غوغائے بام و در سے دریچوں سے پوچھیئے
ہر موڑ پر بھری ہوئی گلیوں سے پوچھیئے
ماحول جب رعونتِ گمراہ بن گیا
زینبؑ کا دل زبانِ یداللہ بن گیا

دنیا کی مسجدوں میں سجائے ہوئے چراغ
جیسے خدا کے گھر میں کوئی روشنی کا باغ
یہ آیتوں کے نور سے نکھرے ہوئے دماغ
دراصل رنگ لائے ہیں زینبؑ کے دل کے داغ
ہر کلمہ گو سے آج اذاں کا بیان ہے
زینبؑ کی محنتوں سے عبادت میں جان ہے

ڈوبا ہو جب شراب میں خونخوار حکمراں
دربار ہو گناہِ مجسّم کا ترجماں
ایسے میں کوئی نکہتِ باغِ پیمبراں
خطبہ جو دے تو چوم لے قرآن کی زباں
قرباں جس پہ زندہ دلی مشرقین کی
کہدیگا واقعہ یہ بہن ہے حسینؑ کی

فوجوں میں ہو اسیر اگر کوئی بے وطن   جس کا شرف ہو عظمتِ حوا کا پیرہن
ناقے پہ سر برہنہ تو بازو میں ہو رسن   سوئی ہو سر کٹائے ہوئے جس کی انجمن
یہ زندگی زمانے میں کس روشنی کی ہے
تاریخ بول اُٹھے گی نواسی نبیؐ کی ہے

شہرِ دمشق پرورشِ ظلم کا مقام   کاٹے: ہاں سحر کا گلا تیرگیِ شام
نیزوں پہ سر تھے اونٹوں پہ قیدی ہجومِ عام   ایسے میں پاسبانِ امامت تھی اور امام
سجّاد کو بچانے کی خاطر کسی طرح
زینبؑ زمیں پہ آ گئی عباسؑ کی طرح

دل نے پڑھی نمازِ مودّت، خدا کا شکر   آنسو ہوئے سکونِ طبیعت خدا کا شکر
اب تک مزاجِ دل ہے بہ صحت خدا کا شکر   قیصرؔ وصول ہو گئی محنت خدا کا شکر
کیوں نازِ بندگی نہ ملے دل کے سوز میں
یہ مرثیہ نصیب ہوا تین روز میں

نظامِ اسلام

امن عالم کی ضمانت ہے نظامِ اسلام
آبروئے بنی آدم ہے پیامِ اسلام
حشر تک نہجِ بلاغت ہے کلامِ اسلام
زندگی موت پہ غالب ہے بنامِ اسلام
سوزِ اسلام میں جب تارِ نفس ڈھلتا ہے
آدمی آگ پہ پانی کی طرح چلتا ہے

کون کہتا ہے سنور ہی نہیں سکتا یہ سماج
کون کہتا ہے میسر نہیں تہذیبِ مزاج
غیر ممکن تو نہیں زخمِ تمدن کا علاج
یا علیؑ کہہ کے اٹھو مشکلیں دیتی ہیں خراج
مطمئن جس سے ہو اسلام وہ عرفان تو ہو
کلمہ پڑھتے ہیں صنم کوئی مسلمان تو ہو

نام اسلام کا اور معنیٔ اسلام سے دور
خواہشِ امن ہے اور دل میں زمانے کا فتور
علم کا شوق مگر پختہ جہالت پہ غرور
ہائے یہ زندہ دلی، وائے یہ اندازِ شعور
کیا تماشہ ہے کوئی فکر کی میزان نہیں
آئینہ دیکھتے ہیں، عکس کی پہچان نہیں

جنہیں معلوم نہیں کیا ہے شعورِ ہستی — وہ کہاں پائیں گے کردار کی بالا دستی
کیا بلندی کا ذریعہ ہے عمل کی پستی — ذہن ویران ہیں، کیا خاک بسے گی بستی
بے ادب لوگ کہاں قدرِ ادب جانتے ہیں
جو مہکتے ہیں وہ خوشبو کا سبب جانتے ہیں

کیا ہے خوشبو کا سبب اس پہ ذرا غور کرو — کاغذی پھولوں کے ماحول سے باہر نکلو
کون ہیں صاحبِ آیاتِ خدا سے پوچھو — جس کے دربان ملائک ہیں اُسی در پہ جھکو
رُوح کی عید کا سامان بھی مِل جائے گا
شکلِ خیاط میں رضوان بھی مِل جائے گا

پہلے تسلیم کرو حق ہے خدا کا پیغام — پھر یہ مانو کہ تعصب ہے مسلماں پہ حرام
پہلے اسلام کی تاریخ میں ڈھونڈو اسلام — پھر نظر آئیں گے اللہ کی تعریف کے نام
یہ معانی ہمیں اسلام نے سمجھاتے ہیں
پنجتنؑ آئے تو دنیا میں حواس آتے ہیں

خود فریبی کے اندھیروں پہ اُجالوں کا گماں — خود شناسی ہو نظر میں تو حقیقت ہے عیاں
شانۂ غیر پہ کیوں جائے قیادت کا نشاں — آؤ اس شہر میں اسلام کی قوت ہے جہاں
رحمتیں عام ہیں ماحول تر و تازہ ہے
ایک ہی شہر ہے اور ایک ہی دروازہ ہے

جس نے کچھ مانگ لیا شہر کے دروازے پر
علمِ آفاق کی حد چومتی ہے اس کی نظر
کیا فسوں کاریٔ دنیا ہے تو کیا اس کا اثر
زر کو ٹھکرانے سے ملتی ہے نگاہِ بوذرؓ
آنکھ جب طلعتِ اسلام کا گھر ہوتی ہے
شامِ ربذہ بھی مدینے کی سحر ہوتی ہے

قوتِ حق ہو نظر میں تو پکارے گا یقیں
دینِ وحدت کسی بے دین کا محتاج نہیں
دشمنِ حق سے مدد ذلتِ حق ذلتِ دیں
دل ہو اسلام تو شاگرد ہیں جبریلِؑ امیں
جب دعاؤں میں خدا والوں کے لب ہلتے ہیں
پر فرشتے کو تو راہب کو پسر ملتے ہیں

صرف اسلام ہے دنیا کیلئے راہِ نجات
اسکا دستور حقیقت میں ہے معیارِ حیات
جسکی سیرت سے نمایاں ہوں پیمبرؐ کی صفات
عینِ اسلام ہے در اصل اُسی شخص کی ذات
جس کا دل امرِ مشیت کا امیں رہتا ہے
ایسے انسان کو قرآن ولی کہتا ہے

یہ حسیں راز بھی کعبے میں صفائی سے کھلا
بندۂ حق نے فنا کر دیئے باطل کے خدا
وقت کو دیکھ کے خود مُہرِ نبوّت نے کہا
کس بلندی پہ امامت ہے یہ معلوم ہوا
مقصدِ روشنیٔ طور اِسے کہتے ہیں
اصل میں نورِ علی نور اِسے کہتے ہیں

مرکزِ وحدتِ اسلام ہے اللہ کا گھر ــ فرض ہے جسکی طرف سجدہ ارباب نظر
پوچھ لو آج اُسی گھر سے کوئی شک ہے اگر ــ کہاں پیدا ہوا عمران کا معصوم پسر
مُسکراتی ہوئی دیوار نے فرمایا ہے
عین کعبے میں نصیری کا خدا آیا ہے

اب جو کعبے پہ چڑھایا ہے غلافِ زرّیں ــ قابلِ قدر ہے بیشک یہ عقیدت کا نگیں
اِک تخیّل سے پریشاں ہے مِرا ذوقِ یقیں ــ کہیں دنیا نے کوئی راز چھپایا تو نہیں
بعد صدیوں کے جو پردے کا سوال آیا ہے
کِس فضیلت کو چھپانے کا خیال آیا ہے

موج کا زور حبابوں سے نہیں چھُپ سکتا ــ جو سمندر ہے کٹوروں سے نہیں چھُپ سکتا
حق زمانے کی کتابوں سے نہیں چھُپ سکتا ــ نُورِ دنیا کے حجابوں سے نہیں چھُپ سکتا
حشر تک مولدِ حیدرؑ کی خبر زندہ ہے
کعبہ زندہ ہے تو دیوار میں در زندہ ہے

باغِ اسلام میں انساں ہے گُلِ تر کیطرح ــ جسکی خوشبو ہے بقا شرعِ پیمبرؐ کیطرح
سانس آتی ہے یہاں مرضیٔ داور کی طرح ــ گُلِ ایماں ہو تو سورج بھی ہے قنبر کی طرح
یوں بھی دنیا کے لئے معجزہ ہو جاتا ہے
اِک اشارے میں گیا وقت پلٹ آتا ہے

پیچ ہے قرآں کو سینوں میں بسانا ہے ثواب
حُسنِ آیات سے ذہنوں کو سجانا ہے ثواب
رنگِ تعظیم میں آنکھوں سے لگانا ہے ثواب
اِسکا سُننا ہے ثواب اسکا سُنانا ہے ثواب
پھر بھی اے اہلِ نظر بات کھری کہتے ہیں
ساتھ قرآں کے علیؑ ہیں، یہ نبیؐ کہتے ہیں

پوری خلقت میں تقاضائے مشیّت ہیں رسُولؐ
نصِّ قرآں ہے کہ سرخیلِ نبوّت ہیں رسُولؐ
دین کہتا ہے مِری رُوح ہیں عزت ہیں رسُولؐ
قولِ ایماں ہے کہ اسلام کی صورت ہیں رسُولؐ
اِسی صورت کے یہ الفاظ ہیں گوہر کی طرح
یا علیؑ تم ہو محمدؐ کے لئے سر کی طرح

زیبِ اسلام ہے وہ قوّتِ ایماں کا سبق
عقل کہتی ہے جسے دین کا تابندہ ورق
سُوکھی روٹی پہ نمک رکھتے ہوئے ضیغمِ حق
یہ وہ منزل ہے جہاں چہرۂ الحاد ہے فق
جس نے اک نانِ جویں کھا کے عبادت کی ہے
اس نے میداں میں پیمبرؐ کی حفاظت کی ہے

حُسنِ اخلاق ہے انسان کی قدروں کا شباب
منحصر جس پہ زمانے کے تمدّن کا نصاب
ہم نے اسلام سے پوچھا تو مِلا اتنا جواب
دیکھ لو سیرتِ حیدرؑ میں کِھلا ہے یہ گلاب
وقت پڑتا ہے تو خوشبوئے عمل دیتے ہیں
اپنے دشمن کو ہلاکت سے بچا لیتے ہیں

لوگ کہتے ہیں کہ ایثار ہے شانِ اسلام
اسی جذبے سے زمانے میں بڑھا دین کا نام
دین کے نام پہ فرمائیں مسلمان تمام
کس کے ایثار پہ آیا ہے خدا کا انعام
یہی انعام تو کردار کا آئینہ ہے
بل اتٰی حیدرِ کرار کا آئینہ ہے

شرحِ اسلام ہیں مداحِ حیدرؑ میں وہ گُل
رشک کرنے لگے سدرہ کا مقدس بُلبل
کیا بھلاؤ گے یہ ارشادِ شہنشاہِ رُسلؐ
میں ہوں قرآنِ مکمل تو علیؑ معنیٔ کُل
صاحبِ وحی نے یوں فکر کے دن پھیرے ہیں
جیسے ہارونؑ ہیں موسیٰؑ کے علیؑ میرے ہیں

معترض کو نہیں معلوم حقیقت کی ادا
ورنہ تسکینِ جگر ہوتی ہے گلشن کی ہوا
بات ہو قولِ پیمبرؐ تو غلو کیا ہوگا
بخدا وجہِ عبادت ہے علیؑ کا چہرا
جس نے دل سے رخِ حیدرؑ کی زیارت کی ہے
اس نے اک بولتے قرآں کی تلاوت کی ہے

عدل کا نور ہے اسلام کے چہرے کا جمال
عدل جس میں نہیں ملتا وہ شریعت پامال
قابلِ غور ہے تاریخ کے ہونٹوں کا سوال
کس کے اندازِ عدالت سے عدالت ہے نہال
دوستو حق ہے کہو نفسِ نبیؐ زندہ باد
فیصلے جھوم کے کہتے ہیں علیؑ زندہ باد

کیا زمانے کو نہیں یاد وہ جنگِ خیبر		حق پرستوں کے مقابل وہ یہودی لشکر
قوّتِ کفر تھی یوں قلعے کے باہر اندر		جیسے کافر کی نظر، جیسے منافق کی نظر
کام آئی نہ وہاں اور کسی کی آواز
فتحِ اسلام ہوئی نادِ علیؑ کی آواز

وہ درِ قلعہ، وہ فولاد کی بھاری دیوار		جس کی تفصیل بڑے ناموروں کا انکار
بخدا دین کی قسمت ہے وہ مردِ جرّار		جس کی خیبر شکنی عقدہ کشائی کی بہار
سچ ہے پیمانۂ فطرت بھی بدل جاتا ہے
انگلیاں چاہئیں فولاد پگھل جاتا ہے

صحنِ اسلام مہکتے ہوئے سجدوں کا چمن		وہ چمن جس میں ہر اک سانس مودّت کی پھبن
وہ مودّت کی پھبن ناز کرے دل کی لگن		ایسے ماحول میں تاریخ کے انمول سخن
آبِ رحمت پہ محبّت کے کنول بہتے ہیں
ہم سخنور اسے قدرت کی غزل کہتے ہیں

یہ وہ قدرت کی غزل ہے جسے انساں چومے		جس کے ہر لفظ کو خود رحمتِ یزداں چومے
چاند قربان ہو، خورشیدِ درخشاں چومے		ایک نقطے کی طرف دیکھ کے قرآں چومے
کیا ہے نقطہ، کوئی کم ظرف نظر کیا جانے
علم ہے جس کا موالی، وہی مولیٰ جانے

سی نقطے پہ تو حیران ہے عقلِ عالم — اسی نقطے پہ تو مرتا ہے شعورِ آدم
ابر ایک نشاں آنکھ کی پتلی سے بھی کم — چشمِ بینا کیلئے وسعتِ قرآں کا بھرم
ہم کہاں جانتے کیا جھوٹ ہے اور کیا سچ ہے
اسی نقطے سے تو قرآں کا دعویٰ سچ ہے

سی نقطے سے ہوا ذکرِ خدا کا آغاز — اسی نقطے سے ملی فکر کو پہلی پرواز
سی نقطے میں ہے تحریر کی رفتار کا راز — اسی نقطے سے اذاں ہے اسی نقطے سے نماز
وجہِ انعام بھی اللہ کے انعام میں ہے
اسی نقطے کی کشش صورتِ اسلام میں ہے

سی نقطے کی روایات میں گم ہیں آفاق — اسی نقطے کی ضیا مہرِ درخشاں کا رواق
سی نقطے کو میسر ہے بلندی کا مذاق — اسی نقطے کی سواری گئی ہمراہِ براق
عرش کا پھول ہے رفعت کے حسیں تاج میں ہے
یہی نقطہ ہے فلک پر، یہی معراج میں ہے

اسی نقطے سے نمایاں ہیں خدائی اسرار — اسی نقطے پہ ستاروں کا تبسم ہے نثار
سی نقطے نے مٹایا ہے توہم کا غبار — اسی نقطے سے زمیں جانتی ہے اپنا مدار
ایک دن آئے گا واضح یہ حقیقت ہو گی
اسی نقطے سے پھرو گے تو قیامت ہو گی

اِسی نقطے سے زمانے کو یہ ملتی ہے خبر — آسماں پنجۂ انساں میں ہے مانندِ سپر
اِسی نقطے کا تقاضا ہے کہ اے اہلِ نظر — ہاتھ کی طرح پڑھا جائے زمیں کا دفتر
یہی دعوائے سلونی میں جلی ہوتا ہے
یہی نقطہ ہے جو منبر پہ علیؑ ہوتا ہے

حدِ ادراک سے بالا ہے علیؑ کی تعریف — یہی تعریف ہے اسلام کی حدِ توصیف
بے مودت کے لئے فکر کا شیشہ ہے کثیف — نورُ اللہ کی قوت بشریت ہے ضعیف
خاک چھانے گا کوئی غیر تو کیا پائے گا
نور کا گھر ہو ستارہ بھی اُتر آئے گا

نور کی بات چھڑی حسنِ طبیعت کے لئے — روشنی مل گئی آئینۂ مدحت کے لئے
نور تو ایک ہے دو امر ہیں نسبت کے لئے — اک نبوت کے لئے ایک امامت کے لئے
کوئی اللہ کا پیغام سُنا دیتا ہے
کوئی پیغام کو سر دیکے بچا لیتا ہے

ایک وہ جس کو خدا پیار سے کہدے محبوب — ایک وہ دینِ خدا جس کو پکارے یعسوب
ایک وہ تا بہ ابد جس کی نبوت مطلوب — ایک وہ جس سے محمدؐ کی بضاعت منسوب
نور کیا کیا نگۂ شوق میں کہلاتا ہے
کہیں سورج تو کہیں چاند نظر آتا ہے

روحِ قرآن ہیں جہاں شمس و قمر کی قسمیں — لہلہاتی ہیں وہیں فکر و نظر کی فصلیں
راز کھل جائے گا تفسیر کا منظر دیکھیں — ایک ہی نور کے دو نام ہیں کچھ غور کریں
وہ محمدؐ ہیں ذرا پیشِ قدم جاتے ہیں
یہ علیؑ ہیں جو بلا فصل نظر آتے ہیں

کیوں نہ کہہ دوں دلِ توحید کی قوت ہیں علیؑ — نبضِ اسلام ہیں عمران حرارت ہیں علیؑ
روزِ اول سے نگہبانِ رسالت ہیں علیؑ — ذوالعشیرہ کی قسم حاصلِ دعوت ہیں علیؑ
اس حقیقت میں کوئی شک ہو یہ امکان نہیں
جو علیؑ کو نہیں سمجھا وہ مسلمان نہیں

حق گلستاں ہے تو خوشبوئے گلستاں ہیں علیؑ — ساری دنیا ہے شبستاں تو چراغاں ہیں علیؑ
کیا ہوا امکانِ ثنا فاتحِ امکاں ہیں علیؑ — قدرِ انساں کے جو خالق ہیں وہ انساں ہیں علیؑ
جیسے قرآن کا پیغام نبیؐ کے دم سے
یوں ہے اسلام کی پہچان علیؑ کے دم سے

دین و دانش کے ہر اک دور میں رہبر ہیں علیؑ — کوئی خوشبو کا سفر ہو گُلِ داور ہیں علیؑ
بزمِ کونین ہے دریا تو سمندر ہیں علیؑ — ہر بلندی کی صدا ہے مرا محور ہیں علیؑ
اس حقیقت سے جسے پیار نہیں ہو سکتا
وہ زمانہ کبھی بیدار نہیں ہو سکتا

ایک بے مثل قصیدہ بھی ہے قرآں کی قسم — چومتا ہے جسے خلّاقِ دو عالم کا قلم
دامنِ انفسنا پر یہ فضیلت ہے رقم — دستِ قدرت نے اُٹھایا ہے علیؑ کا پرچم
کس نے یوں نفسِ پیمبرؐ کی سند پائی ہے
دوستو حقِّ خلافت کی یہ شہنائی ہے

آج انساں کی عظمت کے ترانے ہیں بہت — پھول سے لفظ ہیں جن میں وہ فسانے ہیں بہت
ایک لمحے کی مسافت میں زمانے ہیں بہت — روشنی ہو کہ نہ ہو آئینہ خانے ہیں بہت
وقت آئے گا یہ سب قافلے تھک جائیں گے
جہاں اسلام ہے اُس در پہ چلے آئیں گے

عالمِ غیر کی تہذیب میں دم کچھ بھی نہیں — قتل کرتے ہیں جو غیرت وہ قلم کچھ بھی نہیں
اُڑ رہے ہیں جو ہوا میں وہ صنم کچھ بھی نہیں — ظلم کی آگ بہت ہے یہ بھرم کچھ بھی نہیں
صبر کے ساتھ شعورِ ازلی کافی ہے
ہم مسلماں ہیں ہمیں نامِ علیؑ کافی ہے

ہاتھ آئے گی نہ تقدیر کسی کے در پر — نہ ریاست نہ سیاست نہ خودی کے در پر
نعمتیں ہیں تو فقط نفسِ نبیؐ کے در پر — روح کی عقدہ کشائی ہے علیؑ کے در پر
حسنِ کردار سے دل صاف کئے جاتے ہیں
یہاں ایمان کے ہتھیار دیئے جاتے ہیں

عرصۂ جنگ میں ایمان کے ہتھیار کی بات　　کامیابی کے لئے لشکرِ جرّار کی بات
اہلِ کردار سمجھتے ہیں یہ کردار کی بات　　بات ہے اصل میں اسلام کے معیار کی بات
جذبۂ خیرِ عمل جب بھی رسوا ہوتا ہے
نعرۂ حیدری اُس وقت ادا ہوتا ہے

نعرۂ حیدری آگاہیِ ملّت کا ثبوت　　نعرۂ حیدری معیارِ شجاعت کا ثبوت
یہی نعرہ ہے مسلمان کی غیرت کا ثبوت　　نعرہ حیدریِ اسلام کی نصرت کا ثبوت
یا علیؑ کہکے جو میدان میں آجاتے ہیں
تمغۂ نصرِ من اللہ وہی پاتے ہیں

نعرۂ حیدری آدابِ وفا کا ضامن　　نعرۂ حیدری اقدارِ حیا کا ضامن
یہی نعرہ تو ہے تسلیم و رضا کا ضامن　　نعرۂ حیدری آئینِ خدا کا ضامن
یہ وہاں ہے جہاں ایمان کی آبادی ہے
نعرۂ حیدری اسلام کی آزادی ہے

فکرِ محدود سرِ عرش نہیں جاسکتی　　دیپ کی لو کبھی سورج کو نہیں پاسکتی
رازِ قرآں کے یہ دنیا نہیں سمجھا سکتی　　حیدری شان تخیّل میں نہیں آسکتی
بزمِ تخلیق کی عظمت ہے بنامِ حیدرؑ
مسندِ احمدِ مرسلؐ ہے مقامِ حیدرؑ

کاش انسان سمجھ جائے امامت کا مقام وہ امامت جسے مقدورِ رسالت کا نظام
جس کے ایوانِ کمالات میں بارہ ہیں امام یہ ہے ایمان تو لاریب یہی ہے اسلام
اب امامت کا کوئی پھول نہیں کھل سکتا
غیرِ معصوم کو یہ تاج نہیں مل سکتا

کہاں ملتی ہے کسی اور امامت کی دلیل قولِ معصوم نہیں ہے تو سمجھیے تادیل
کیوں سمجھیے۔ نہیں دُنیا لے شریعت کے وکیل یہی منصب تو ہے قرآں میں تمنائے خلیلؑ
غیر کے ساتھ اگر لفظِ امام آئے گا
ہم تو کیا چیز ہیں اسلام تڑپ جائے گا

اصطلاحاً بھی نہیں ہے یہ تصرف معقول آیتِ حق سے زیادہ تو نہیں وجہِ قبول
گر سمجھتے ہو کسی لفظ کی تخصیص فضول پھر تو ہر قاصدِ دفتر کو لکھا جائے رسول
رسمِ آدابِ رخا یوں نہ بھلاؤ یارو
حرمتِ منصبِ معصوم بچاؤ یارو

عام ہو جب کوئی منصب تو کہاں عرش مثال آدمی خاص تدبر سے بھی پاتا ہے کمال
وصفِ تطہیر ہے قرآن میں بے شک وہ سوال جس کے سائے میں ہے لاریب امامت کا
انقلابات پہ غالب ہے بہر طور امام
حشر تک عینِ مشیت ہیں رسولؐ اور امام

ساری دُنیا کے امام آئیں گے محشر میں ضرور   حشر میں نشر کئے جائیں گے دُنیا کے قصور
حسبِ پیمانِ ازل موجبِ تلقینِ قبور   کس کے ماموم بنیں گے وہاں فرمائیں حضور
ابھی موقع ہے ابھی بات سنور جائے گی
سانس اُکھڑی تو فقط خاک نظر آئے گی

ہم سے جب کوئی یہ کہتا ہے یہ ہے قولِ امام   ذہن میں آتا ہے فوراً کسی معصوم کا نام
پست کیجئے نہ عقیدت سے حقیقت کا مقام   صاف کہتا ہے مِن اللہ امامت کا نظام
جس کی میراث میں اللہ کی تلوار بھی ہے
وہ محمدؐ بھی ہے اور حیدرِ کرّار بھی ہے

ہمسری کا جسے دعویٰ ہے وہ آگے آئے   مان لے جس کو نبوت وہ سند دکھلائے
آسماں سے کسی شاہد کو بلایا جائے   پھر زمانے میں امامت کا علم لہرائے
ورنہ تصویر کا رُخ نقصِ شریعت ہوگا
ہر عمل مہدئ دوراں سے بغاوت ہوگا

دعوتِ فکر ہے ایران کا بروقت جہاد   دین آباد ہے اور ظلم کی شاہی برباد
گردِ پا لوگ سے زائد نہیں دُنیا کا عناد   نیتیں حق ہوں تو ملتی ہے فلک سے امداد
جذبۂ خیر عمل کیا ہے ابھی غور نہیں
چاند کے پردے میں سورج ہے کوئی اور نہیں

دل میں حیدر کی وِلا ہے تو مسلماں ہیں شیر
دین ہے جس کی جلالت وہی ملت ہے دلیر
حق تمدّن کا اُجالا ہے تو باطل اندھیر
جتنے چیلے ہیں وہ قرآن کی سیاست سے ہیں زیر
آج بھی پیروِ کردارِ حسینؑ آیا ہے
نصرتِ دیں کے لئے مردِ خمینی آیا ہے

کون روکے گا یہ اسلام کے دریا کا بہاؤ
جنبش بازوئے عباسؑ میں ہے دین کی ناؤ
کوئی اندیشہ نہیں سارے زمانے کو بلاؤ
کربلا کاٹتی ہے شام کی شطرنج کے داؤ
محورِ عزم جو عاشور کا صابر ہوگا
ہر عزادار حبیبؑ ابن مظاہر ہوگا

کاش مرہونِ شریعت ہو امارت کا خمار
چادرِ فکر پہ قائم ہو نمازِ کردار
کاش ٹھنڈا ہو یہ الحاد کا خونی بازار
بزم عالم کو ملے دامنِ اسلام کا پیار
کاش ہر فرد کو پیغام سحر آجائے
منتظر جس کی ہے دُنیا وہ نظر آجائے

ساری دنیا میں نظر آئے وہ عدل و انصاف
کوئی آواز نہ ہو شرعِ محمدؐ کے خلاف
جنّتِ دید ہو توحید کے پرچم کا طواف
ایک ہی حکم چلے قاف سے لیکر تا قاف
کیوں نہ آئے گی نمی وقت کے انگاروں میں
سن رہا ہوں کہ مسیحا بھی ہیں بیماروں میں

سب سے پہلے درِ اقدس پہ بچھے فرشِ عزا
ہر عزادار کی آنکھوں سے رواں ہو دریا
صحنِ کونین سُنے مرثیۂ شیرِ خُدا
دل کی دُنیا میں تلاطم ہو اُٹھے شورِ بکا!
گرم اشکوں سے سجایا ہوا تحفہ دیدِ دل
وارثِ حیدرِ کرّار کو پُرسہ دیدِ دل

عدل و انصاف کے پیکر سے کہوں قصۂ غم
دل کی آواز ہو کوفے کی صدائے ماتم
کانپتے ہونٹ سنائیں وہ زمانے کا ستم
جس سے دُنیا میں ابھی تک سرِ تاریخ ہے خم
مسجدِ کوفہ نے کیا صبحِ قیامت دیکھی
شیرِ یزداں کے سرِ پاک پہ ضربت دیکھی

اُف وہ انیسویں ماہِ رمضاں وقتِ سحر
وہ نمازی وہ دمِ صوم وہ اللہ کا گھر
اپنے سوئے ہوئے دشمن کو جگانا بڑھ کر
عین مسجد میں وہ تلوار وہ معصوم کا سر
تازیانہ ہے مسلماں کی غیرت کے لیے
دین کا خون بہایا گیا دولت کے لیے

زخمِ سر دیکھ کے وہ شکرِ خدا کا عالم
جس پہ قربان ہو اربابِ وفا کا عالم
خون میں ڈوب کے اُمت کی دُعا کا عالم
یہ ہے اسلام میں تسلیم و رضا کا عالم
صرف اتنا تو کہا دورِ جہاں بیت گیا
ربِّ کعبہ کی قسم آج علیؑ جیت گیا

آئے جب اندر نمازی تو اُٹھا شورِ فغاں — چاہنے والوں کی نظریں تھیں کہ قاتل ہے کہاں
ایسے عالم میں شہنشاہ امامت کا بیاں — دوستو پہلے کرو سجدۂ خلاقِ جہاں
چھپ گیا ہے بنِ ملجم تو کوئی بات نہیں
صبر زندہ ہے زمانے سے شکایات نہیں

اقتدائے حسنؑ سبز قبا میں وہ نماز — وہ برستے ہوئے آنسو وہ دعا دم ساز
وہ مصلیٰ وہ لہو وہ جسدِ نازو نیاز — حالتِ نیم غشی میں وہ کسی کی آواز
گھر میں اب سیّد ذیجاہ کو لاؤ شبیرؑ
دخترِ فاطمہؑ مر جائے گی آؤ شبیرؑ

دیکھ کر چہرۂ شبیرؑ اُٹھے شیرِ خدا — یادِ زینبؑ کی بڑھی درد کا احساس گھٹا
فخرِ موسیٰ کو ملا شانۂ شبیر کا عصا — گھر کی جانب جو چلے مجمعِ احباب رکا
سر جھکائے ہوئے مسجد سے وہ رنجور گئے
غیرتِ قوم تھی سب لوگ بہت دور گئے

گھر میں داخل ہوئے مولیٰ تو بڑھے اہلِ حرم — جیسے کعبے کی طرف آئے دو عالم کا حشم
سب کے چہروں سے یہ ظاہر تھا نکل جائیگا دم — کچھ صدائیں تھیں غضب ہوگیا اب لُٹ گئے ہم
جس کے کردار سے اسلام میں قوت آئی
ہائے افسوس اسی گھر پہ مصیبت آئی

فرش پر زینتِ بستر ہوئے ضرغام اللہ　　دونوں پہلو میں رئیسانِ جناں نورِ نگاہ
تکیۂ سر کے قریں زینبؑ کبریٰ ذیجاہ　　پائنتی مادرِ عباسِ جری ضبط پناہ
ایک قرآن تھا جو حلقۂ آیات میں تھا
آفتاب اپنے جمالات کی برسات میں تھا

آ کے جرّاح نے جس دم سرِ اقدس باندھا　　ہاتھ سینے پہ رکھا رونے لگے شیرِ خدا
کیا عجب دیکھ لیا ہو وہ ستم کا صحرا　　جہاں عاشور کو بکھرے گا پسر کا لاشا
آگ میں بارگہِ سیّدِ عالم ہوگی
بیکسی بنتے ہوئے زخموں کا مرہم ہوگی

اُمِ کلثوم جو پڑھنے لگیں آیاتِ شفا　　پردۂ ذہن پہ اک اور تصوّر اُبھرا
آج اک غم سے پریشان ہے مری ماہ لقا　　کل بھرے گھر کی جدائی میں پڑھیگی نوحا
قبرِ زہرا پہ جو پُرسے کے لئے آئے گی
روحِ پیغمبرؐ اسلام تڑپ جائے گی

درد انگیز تھا فضّہ کی دُعا کا منظر　　دل تڑپنے لگا اس جذبۂ ہمدردی پر
لے گیا شام کے بازار میں اشکوں کا سفر　　جہاں فضّہ نظر آئی رُخِ زینبؑ کی سپر
کہیں بچوں کو کلیجے سے لگاتے دیکھا
کہیں کلثوم کو درّوں سے بچاتے دیکھا

شدتِ درد میں جب ضبط کی انگڑائی لی
فردِ احساس پہ کرنے میں قیامت دیکھی

تازیانوں میں تڑپتی ہوئی زنجیر ابھری
ایک بیمار کے ہونٹوں سے یہ آواز سنی

اسداللہ کا پوتا ہوں نہ گھبراؤں گا
دین بچتا ہے تو کانٹوں پہ چلا جاؤں گا

لوگ قاتل کو جو لائے تو پلایا شربت
ہاتھ کھلوا دیئے اللہ ری طبع رحمت

فکرِ آئندہ نے پلکوں پہ یہ لکھ دی حالت
اجنبی دیس، رسن، دُرّے نبیؐ کی عترت

سر جھکائے ہوئے سب اہلحرم جاتے ہیں
جتنے وارث ہیں وہ نیزوں پہ نظر آتے ہیں

ایک گوشے میں جو دیکھا بنی ہاشم کا قمر
دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے بولے حیدر

میری غیرت کے محافظ مرے غازی دلبر
آمرے سینے سے لگ جا مرے عباسؑ لیسر

تیری آنکھوں سے ابلتے ہوئے آنسو چوموں
چوم کر گیسوئے زینبؑ ترے بازو چوموں

آئے عباسؑ تو چھاتی سے لگایا شہ نے
دل کی دھڑکن کا جو مقصد تھا بتایا شہ نے

آہ بھر کر دلِ زہرا کو بلایا شہ نے
تھام کر بازوئے شبیرؑ سنایا شہ نے

آج یہ پھول تجھے میں نے دیا ہے بیٹا
شکلِ عباسؑ میں حیدرؑ کی دعا ہے بیٹا

میں نے اِس چاند کو جاں سوزیٔ غربت سونپی
میں نے اِس شیر کو غم سہنے کی قوت سونپی
اپنا دل اپنا جگر اپنی شجاعت سونپی
میں نے عباسؑ کو اِس گھر کی حفاظت سونپی
جب کبھی وقت پڑے بھول نہ جانا شبیرؑ
اِس کو لشکر کا علمدار بنانا شبیرؑ

میری غیرت میری عزّت کا نشاں ہے عباسؑ
میری سیرت میرے کردار کی جاں ہے عباسؑ
بنی ہاشم کی شرافت کا بیاں ہے عباسؑ
دین کو ناز ہے جس پر وہ جواں ہے عباسؑ
اس کی تقدیر میں قدرت نے وفائیں دی ہیں
میرے اِس لال کو زہراؑ نے دعائیں دی ہیں

انگلیاں نبض پہ رکھیں تو یہ زینبؑ نے کہا
زہر تو پھیل چکا دیکھئے اب کیا ہوگا
کتنی پرُ ہول یہ اکیسویں شب ہے بابا
باغِ زہراؑ میں نہ آجائے خزاں کا جھونکا
دل لرزتا ہے غم و رنج کی یلغاروں سے
گھر نہ جل جائے کہیں درد کے انگاروں سے

بے وفا ہے یہ زمانہ کوئی ہمدرد نہیں
دشمنِ آلِ پیمبرؐ ہیں بہت دشمنِ دیں
ان کو اللہ کا ڈر ہے نہ قیامت پہ یقیں
تنگ ہے سرورِ کونین کے گلشن پہ زمیں
کتنی مسموم یہ کوفے کی فضا ہے بابا
اب تو زینبؑ کا بدن کانپ رہا ہے بابا

شہ نے فرمایا وہ ہنگام سحر دُور نہیں
بزمِ دُنیا سے مسافر کا سفر دُور نہیں
میری بیٹی سے یتیمی کی خبر دُور نہیں
پسِ ہے اب درد کے شعلوں سے یہ گھر دُور نہیں
آج کیوں تیرا بدن کانپ رہا ہے زینبؑ
تیری تقدیر میں درّوں کی جفا ہے زینبؑ

ایک محشر تھا وہ زینبؑ کی مصیبت کا خیال
بے ردائی میں اذیت پہ اذیت کا خیال
در و دیوار پہ وہ مجمعِ اُمّت کا خیال
طوق پہنے ہوئے سجادؑ کی غیرت کا خیال
ساری دُنیا سے جدا گردشِ حالات ہوئی
سنگ کیسے جنہیں اُن پھُولوں کی برسات ہوئی

ہائے اُن پھُولوں کی برسات میں زینبؑ کا بدن
یوں سمجھ لیجیے لہو ہو گئی بازو کی رسن
پوری تاریخ سے بکھرے ہوئے بالوں کا سخن
یوں تو اُجڑا نہ کسی اور پیمبرؐ کا چمن
جس کے دربار میں آیات کے گوہر برسیں
اُس کے ناموس پہ بازار میں پتھّر برسیں

یہ تصور تھا کہ دُنیا سے سدھارے حیدرؑ
غش جو آیا تو حسنؑ گر پڑے بابا کہکر
اُف وہ قرآن کا پیکر وہ اجل کا بستر
باپ کی لاش پہ وہ زینبؑ و کلثوم کے سر
زلزلہ عظمتِ کعبہ کے چمن میں دیکھا
وقت نے بولتا اسلام کفن میں دیکھا

زندگی آج ہر انسان سے کرتی ہے کلام — جسے انصاف سے ہے پیار وہ سمجھے یہ پیام
کس کے ہونٹوں سے ہے اب احمدِ مختار کا نام — کس کا گھر تھا جسے لوٹا گیا عاشور کی شام

رحِ اسلام ہو نہیں جس کے لہو کی دھاریں
اُس کے بچوں کو مسلمان طمانچے ماریں

جان دیتا ہے جو تہذیب پہ وہ بات کرے — کسی مذہب میں جفاؤں کے یہ شعلے دیکھے
جو سدا بخشش اُمت کی دُعائیں مانگے — دستِ اُمت اُسی کُنبے کی ردائیں چھینے

روزِ عاشور کے شعلے یہ صدا دیتے ہیں
کیا مسلمان بھی قرآن جلا دیتے ہیں

جس کی آنکھوں میں ہے تاریخ جو رکھتا ہے ضمیر — وہ بتلائے گا ہمیں کیا ہے علیؑ کی تقصیر
جس نے پالا ہو یتیموں کو چھڑائے ہوں اسیر — اُس کی اولاد کو پہنا دیئے طوق و زنجیر

دین کے واسطے سویا ہو جو تلواروں میں
اُس کے ناموس پھرائے گئے بازاروں میں

شورِ گریہ سرِ مجلس ہے برنگِ محشر — صاحبِ عصر کی خدمت میں کہا اے قیصر
آج آقائے خمینی ہیں شریعت کی سپر — آپ کے نام سے حاصل ہوا اُنہیں فتح و ظفر

ہر نفس میں ہو محمدؐ کے ولی کا اسلام
پوری دُنیا میں نظر آئے علیؑ کا اسلام

کربلا و نجف

جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں
میں حرف و لفظ میں جدت کے جام لایا ہوں
جو منفرد ہے وہ طرزِ کلام لایا ہوں
اک آفتاب اُجالوں کے نام لایا ہوں
جواہرات کے یہ آئینے مکمل ہیں
برائے سعیِ عمل زاویئے مسلسل ہیں

عمل کا دائرہ پھیلاؤ روشنی کی طرح
چنو جواہرِ کردار جوہری کی طرح
جہاں فضا ہو کسی عہد سرکشی کی طرح
وہاں تحفظِ حق چاہیئے علیؑ کی طرح
لہو کے پھول کھلے ہیں اِسی شرف کے لئے
بُلا رہی ہے تمہیں کربلا نجف کے لئے

کتاب فکر کا عنوان ہیں کربلا و نجف
کمالِ منزلِ انساں ہیں کربلا و نجف
زمیں ہے رات چراغاں ہیں کربلا و نجف
صداقتیں ہیں بدن جاں ہیں کربلا و نجف
جہانِ عقل کا ہر فاصلہ نگاہ میں ہے
یہ کائنات اِنہیں منزلوں کی راہ میں ہے

یہ منزلیں ہیں وہ مقصودِ کاروانِ حیات　　جہاں صفات کی محور ہے ایک مشعلِ ذات
دل و نظر کی عدالت سے کہہ رہا ہوں یہ بات　　یہی مقام ہیں تعمیرِ ذہن کی آیات
خرد کے باغ اِنہیں جنتوں میں کھلتے ہیں
علومِ عظمتِ انساں یہیں سے ملتے ہیں

علومِ عظمتِ اِنسان کی بات آئی ہے　　عروسِ دولتِ ایجاد مسکرائی ہے
لبِ شعور نے تازہ خبر سنائی ہے　　متاعِ راہبری مرثیے نے پائی ہے
رہینِ اشکِ عزا علم کے خزانے ہیں
غمِ حسینؑ کے سائے میں سب زمانے ہیں

نصیب ہو گیا جس کو غمِ حسینؑ کا نور　　اُسی کے ذہن سے اُبھرا ہے آفتابِ شعور
سکونِ روح کا ساماں جسے ہوا منظور　　اُسے ملا ہے نجف سے حیات کا دستور
جسے مصیبتِ عاشور خوں رلاتی ہے
اُسے ہوائے نجف آسماں بناتی ہے

اگر ہوائے نجف ہے تو مشہدی ہے مزاج　　جسے ادا کرے تاریخِ زندگی کا خراج
سیاستوں کے اندھیروں میں جب گھرا ہے سماج　　حسینوں نے کیا نسخۂ نجف سے علاج
کہیں زمانے کو خاموش انقلاب دیا
کہیں جہاد میں تلوار سے جواب دیا

جہادِ زندگی اک امتحانِ روح و بدن
نفس کی آمد و شد ہے کہ مصلحت کا بیّن
ملا ہے صنعتِ حق سے عجیب رنگِ سخن
سُنا رہی ہے یہ پیغام دل کی سرد دھڑکن
یہی تو عرش ہے معراجِ بندگی کیلئے
مرو حسینؑ کی خاطر جیئو علیؑ کے لئے

علیؑ کے دم سے ہے مضبوط روح کی دیوار
علیؑ کی سیرت کامل رسولؐ کا کردار
درِ علیؑ پہ اگر آدمی ہو سجدہ گذار
بدن پہ آ نہیں سکتا جہالتوں کا غبار
برائے دینِ خدا فاتحِ سیاست ہے
علیؑ کا تذکرہ اسلام کی دیانت ہے

کھلا یہ راز دیانت پسند ذہنوں پر
اُصولِ حق کی محافظ ہے اہلِ حق کی نظر
خلافِ غیر حکومت ہے پاسدارئ شر
مزاجِ نفسِ پیمبرؐ ہے عدل کا جوہر
جہاں نظامِ خدا کے سوا نظام نہیں
وہاں سیاستِ دُنیا کا کوئی کام نہیں

کہاں سیاستِ دُنیا کہاں خُدا کا نظام
کہاں تصوّرِ مکر و دغا کہاں اسلام
عبث ہے بولتے قرآں کے عہد پر الزام
سُنو وصیِّ رسالتمآب کا پیغام
بغیرِ عدل کوئی شمع جل نہیں سکتی
زمانہ بدلے شریعت بدل نہیں سکتی

جہاں کبھی نظمِ شریعت سے انحراف ہوا　　وہیں گلابِ تمدّن خزاں نے لوٹ لیا
جہاں بھی فکر کا بادل اُصول سے اُلجھا　　وہیں فساد کی بارش ہوئی لہو برسا
سحر کا نام فقط روشنی کے نام سے ہے
قیامِ امن اگر ہے علیؑ کے نام سے ہے

قیامِ امن سکھاتا ہے آدمی کو ادب　　ادب کے پھُولوں کی خوشبو ہے زندگی کا سبب
معاشرے میں ہر انساں ہے صاحبِ منصب　　کسی بیان میں جیسے بیان کا مطلب
زمانے بھر کے سخنور یہ بات مانتے ہیں
ادیب وہ ہیں جو لفظوں کا وزن جانتے ہیں

وہ ایک لفظ کبھی سورج سے کم نہیں ہے حضور　　دیا ہے نہجِ بلاغت نے جس کو فکر کا نور
پکارتا ہے زمانے کے عالموں کا غرور　　علیؑ نے دیدیئے دُنیا کو معجزاتِ شعور
ہُمائے چشم جو خطبوں کے عرش پر آیا
تو پھر مدینۂ علمِ نبیؐ نظر آیا

ملی مدینۂ علمِ نبیؐ کی بادِ بہار　　جسے کھولی چمنِ دل پہ رحمتوں کی پھوار
نئی اداؤں سے کھلنے لگے گُلِ افکار　　گلے لگا لیا جبریلِ عقل نے اک بار
صدا یہ آئی کوئی کربلا سے آیا ہے
جسے علیؑ نے درِ مصطفٰےؐ دکھایا ہے

جبیں کا نقش درِ مصطفیٰؐ کی خاک ہوئی — مرے نصیب نے گویا دعائے نور لکھی
اٹھا فرشتۂ تخئیل پڑھ کے نادِ علیؑ — فضاؤں میں یہ صدا جنت البقیع نے دی
غریب بیٹے کی تعریف چاہتی ہیں بتولؑ
یہاں حسینؑ کی توصیف چاہتی ہیں بتولؑ

قلم نے سجدۂ توصیف میں جھکا دیا سر — زباں صدقے ہوئی کربلا کے پیاسے پر
پکارے اشک پھریں جستجو میں اہلِ نظر — حسینؑ دل ہے ترا دل جگر ہے تیرا جگر
کمالِ دبدبہ آہوں میں بھر دیا تو نے
بدن کے زخموں کو تلوار کر دیا تو نے

بدن کے زخموں کی تلوار نے بتایا ہے — اجل پہ فاطمہؑ کا لال مسکرایا ہے
یہ واقعہ ہمیں تاریخ نے سنایا ہے — حسینؑ ہی سے قضا کو پسینہ آیا ہے
نمازِ عصر سے یہ بات آشکار ہوئی
لہو کی دھار بھی مقتل میں ذوالفقار ہوئی

لہو کی دھار کا آئینہ دیکھے انساں — دکھائی دیتے ہیں ماضی میں روشنی کے نشاں
یہی نشاں ہیں محمدؐ کے بے مثال جواں — جواں بھی وہ جو عمل سے ہیں دین کے ارکاں
خدا کے کام بنائے وہ کارساز بھی ہیں
یہی اذان بھی ہیں اور یہی نماز بھی ہیں

کوئی نماز سے پوچھے حسینؑ کا احسان جناب فاطمہؑ کے نورِ عین کا احسان
اُدھر وہ فاتحِ بدر و حنین کا احسان خدا کے دین پہ ہے جانشین کا احسان
جہادِ شیرِ خدا قوتِ رسالت ہے
نمازِ سبطِ نبیؐ آبروئے قدرت ہے

سمجھ میں آ گیا قدرت کی آبرو ہے نماز خدا کے ساتھ مسلمان کی گفتگو ہے نماز
شجر ہے دینِ نبیؐ قوتِ نمو ہے نماز حسینؑ جس کا مقدر وہ سرخرو ہے نماز
کچھ اس طرح ہوئے سجدوں کی زیب و زین حسینؑ
کہ اب نماز کی آواز ہے حسینؑ حسینؑ

جہاں حسینؑ کا نام اب وہیں نماز کا نام جہاں نماز وہیں اب حسینؑ کا پیغام
جنہیں حسینؑ سے اُلفت جنہیں نماز سے کام سمجھ سکیں گے وہ بندے یہ بندگی کا مقام
نظامِ عصمت و معصوم اس کو کہتے ہیں
ادائے لازم و ملزوم اس کو کہتے ہیں

ادائے لازم و ملزوم پر جو غور کیا نگاہِ فکر نے میدانِ کربلا دیکھا
وہ ایک قافلہ جس میں تمام اہلِ خدا تمام اہلِ خدا ہیں حسینؑ راہنما
وفا کی صورتیں آئی ہیں مصحفوں کی طرح
صحیفے لایا ہے قرآن آیتوں کی طرح

اِنہیں صحیفوں انہیں آیتوں کا جلوۂ حق　　حسینیت کی تجلی حسینیت کا سبق
خلا کی سرمئی موجوں پہ ہر گلاب شفق　　سکھا رہا ہے ہمیں گلستاں کا نظم و نسق
ہر انتظام ہے پھولوں کی آبرو کے لئے
مزاجِ وقت اشارہ ہے جستجو کے لئے

مزاجِ وقت سمجھنا بڑی بصیرت ہے　　نگاہِ جائزہ سرمایۂ قیادت ہے
یہ دھوپ چھاؤں تو میزانِ آدمیت ہے　　نہ کم ہو وزنِ شرافت یہی شرافت ہے
جو انقلاب کے زرّیں اصول دیتے ہیں
وہ ہر محاذ کو پلکوں پہ تول لیتے ہیں

محاذِ فکر ہے مشکل ترین جنگ کا نام　　یہاں زمانہ ہے میدان اور خرد ہے حسام
مقابلے میں ہوں فوجیں برنگِ ظلمتِ شام　　نجف کی صبح سناتی ہے فتح کا پیغام
مزہ تو جب ہے رُخِ کفر داغ داغ بھرے
طمانچہ ہو تو ابوجہل کا دماغ پھرے

فساد و شر ہیں ابوجہل کے دماغ کا زہر　　جسے شعور کہے بیعتِ یزید کا قہر
تمام ارضِ عرب کی فضا میں جبر کی لہر　　حسینؑ خوب سمجھتے تھے کیا ہے فتنۂ دہر
نہ خوفِ جاں نہ کسی رسم و راہ سے دیکھا
محاذِ وقت علیؑ کی نگاہ سے دیکھا

محاذِ وقت وہ تاریکیوں کا عہدِ شباب	کہ جس کے ذیل میں ظالم حکومتوں کا نصاب
قدم قدم بنی آدمؑ پہ انتہا کا عذاب	وہ آیتوں کا تمسخر وہ منبروں پہ شراب

ہر ایک موڑ پہ کردار کے جنازے تھے
ہجوم عام تھا اور غیرتوں کے لاشے تھے

ہر ایک لاشۂ غیرت پہ قہقہوں کی صدا	نظر نظر میں شرافت کے خون کا دریا
ہر ایک راہ میں غارتگری کی تیز ہوا	بدن بدن پہ سجائے ہوئے ستم کی قبا

عمل تھا نقشۂ ہستی بگاڑنے کے لئے
لبے تھے شہرِ مدینہ اُجاڑنے کے لئے

وہ تاجدارِ مدینہ سے انتقام کی آگ	وہ باغِ صبح کی جانب ہوائے شام کی آگ
وہ سلطنت کے لئے ظلم کے نظام کی آگ	وہ اک تصورِ آئندہ اور خیام کی آگ

شقاوتوں کے نئے حوصلے جوان ہوئے
گلوں پہ تیزیٔ خنجر کے امتحان ہوئے

برنگ تیزیٔ خنجر جوانیٔ وحشت	زوالِ نفس کی تحریک نشۂ دولت
لکھا مورخ احساس نے بصد خفت	اُصول چھوڑ کے بدنام ہو گئی اُمت

جو یہ کلنک کا ٹیکہ مٹا نہیں سکتے
وہ اب رسولؐ کو چہرہ دکھا نہیں سکتے

زباں پہ کلمۂ اسلام دل میں بغضِ رسولؐ
جماعتوں کے نمازی طبیعتاً مجہول
تمام باغ پہ قبضے کی خواہشات قبول
مگر یہ فکر کہ باقی رہے نہ باغ میں پھول
منافقت کے نگہبان سامنے آئے
خدا فروش مسلمان سامنے آئے

خدا فروش مسلمان اور خدا کا نظام
یہ وہ خیال ہے جس پر جہالتوں کا سلام
وہ اقتدار مٹا دے جو اعتماد کا نام
وہی ہے چہرۂ نظم و نسق پہ داغِ جذام
جہاں خزانے طبیعت کو گھیر لیتے ہیں
وہاں فقیہہ بھی قانون بیچ دیتے ہیں

جہاں تمام ضرورت بکا ہوا قانون
جہاں بنائے سیاست بکا ہوا قانون
جہاں مزاجِ عدالت بکا ہوا قانون
جہاں ہو طرزِ حکومت بکا ہوا قانون
کسی چراغ کسی روشنی کی بات نہیں
وہاں سکونِ بشر موت ہے حیات نہیں

وہ کیا کریں گے بشر کے سکون کا احساس
بھرا ہو جن کی رگوں میں جنون کا احساس
انہیں کہاں شرفِ عابدوں کا احساس
نہ ہو جنہیں کسی معصوم خون کا احساس
پکاریں آندھیاں وحشی فضا کے آنچل سے
درندے شہر میں آئے ہوئے ہیں جنگل سے

دمشق سینۂ تاریخ پر جفاؤں کا شہر
برائے شام وہ ظلمت بھری اداؤں کا شہر
ستم نمائیِ عفریت سے بلاؤں کا شہر
تعصبات میں بھیگی ہوئی ہواؤں کا شہر
یہیں پہ حق کی قبائیں ملیں بگولوں کو
صلیب دی گئی سچائیوں کے پھولوں کو

یہیں یزید کا دربار اور صلیبِ ستم
تراشے جس نے حمیت فروش تازہ صنم
جواں ہوئے ہیں یہیں پر حریصِ دام و درم
یہیں جمائے رعونت کے پربتوں نے قدم
جو اک راز تھی وہ بات آشکار ہوئی
یہیں سیاستِ شوریٰ گناہ گار ہوئی

اسی سیاستِ شوریٰ کا بد نما کردار
قدم قدم پہ بنا جبر و صبر کی پیکار
عمل کی راہ میں پھیلے تعیشات کے خار
خزاں نے گھیر لی اسلام کے گلوں کی بہار
اٹھا یہ شور شریعت کو تار تار کرو
یزیدیت کو زمانے میں پائیدار کرو

یزیدیت کے پرستار ذہن بد انجام
شعورِ وقت سے اُلجھے بصورتِ الزام
بنامِ بیعتِ فاسق پلائے زہر کے جام
پکاری عقل کھلی اب حقیقتِ اسلام
جنہیں نصیب شکست یقیں کا شیوہ ہے
دراصل بیعتِ فاسق انہیں کا شیوہ ہے

خدا پرست سمجھتے ہیں معنیٔ بیعت　　حصارِ لفظ میں ہیں جان و دولت و عزت
نہ ہوگی تا بہ قیامت یہ فکر کی صورت　　غزل کہے کوئی شاعر خراج دے آیت
زمانے والوں نے کتنا فریب کھایا ہے
دھوئیں کے ساٹے میں کب آفتاب آیا ہے

دھواں عظیم ہے یا آفتاب غور کرو　　گناہ آبرو ہے یا ثواب غور کرو
سکوں ہے خارِ چمن یا گلاب غور کرو　　سوال مانگ رہا ہے جواب غور کرو
جوابِ سیرتِ محبوب کردگار میں ہے
تمام بیعتِ رضواں خدا کے پیار میں ہے

خدا کا پیار ہے، بندے کی بندگی کا وقار　　اسی وقار پہ دنیا کے تاج و تخت نثار
محاذِ وقت پہ دیکھا جو بیعتوں کا غبار　　حسینؑ ابرِ کرم کی طرح ہوئے تیار
زمین خشک لبوں سے دعائیں دینے لگی
لحد سے کوکھ جلی ماں بلائیں لینے لگی

بلائیں کوکھ جلی ماں نے لیں دعا کی طرح　　گلے لگایا ہوا دل نے مامتا کی طرح
بنجف سے پیار ملا ذکر لافتیٰ کی طرح　　شریکِ غم ہوا قرآن مصطفیٰ کی طرح
دعائے فتح پڑھی ذوالفقار کو چوما
ادائے مرضیٔ پروردگار کو چوما

پہن کے مرضیٔ پروردگار کی پوشاک سجا کے بانیٔ اسلام کا عمامۂ پاک
زمیں کے فرش کو دیکر بلندیٔ افلاک کہا ہوائے زمانہ سے تو اڑائیگی خاک

وقارِ احمدِ مختارؐ کا محافظ ہوں
علیؑ کا لال ہوں کردار کا محافظ ہوں

علیؑ کے لال بھتے تیور لیے ہوئے اُٹھے شجاعتوں کا سمندر لیے ہوئے اُٹھے
شبابِ قاسمؑ و اکبرؑ لیے ہوئے اُٹھے تبسمِ علیؑ اصغر لیے ہوئے اُٹھے

شکست کیوں نہ ملے سامری بلاؤں کو
عصا بنا لیا عباسؑ کی وفاؤں کو

یہی وفائیں جو مقصد سے ہمکنار ہوئیں عمل کی روشنیاں اور جلوہ بار ہوئیں
خرد کی جتنی طنابیں تھیں استوار ہوئیں دلوں کی دھڑکنیں انسانیت کا پیار ہوئیں

خلوصِ فکر و نظر کی تجلّیاں بکھریں
اسی سے طالبِ بیعت کی دھجیاں بکھریں

کہا حسینؑ نے بیعت کرے حسینؑ نہیں اسی نہیں کی بلاغت ہے مصطفٰےؐ کا یقین
وہ ایک دل جسے لکھوں مشیتوں کا نگیں اُسی کے دم سے فلک ہے اُسی کے دم سے زمیں

کیا یہ عزم نیا انقلاب آئے گا
سناں کی نوک پہ اب آفتاب آئے گا

مدینہ چھوڑ کے زہرًا کا آفتاب چلا　　خدا کے نور سے ٹکرائی ظلمتوں کی ہوا
چراغِ قبرِ پیمبرؐ نے تھرتھرا کے کہا　　اب اپنے لال کی غربت پہ روئیگی زہرًا
نگاہِ وقت نے آثارِ غم دکھائے ہیں
مسافرت میں بڑی بیکسی کے سائے ہیں

ستم کی دھوپ بڑی بیکسی کے سائے کا رنگ　　غضب کی پیاس میں سیرابیٔ جہاں کی اُمنگ
وہ راہِ درد پگھل جائیں جس پر آہن و سنگ　　وہاں ثبات کی باتیں مزاجِ وقت سے جنگ
زبان پہ لفظ ادائے صلوٰۃ کی صورت
پسینہ جسم سے نکلا زکوٰۃ کی صورت

دلِ حسینؑ اور اسلام کے بدن کی زکوٰۃ　　اک آرزو کہ ادا ہو بھرے چمن کی زکوٰۃ
بنامِ صُلحِ حسنؑ کہہ گئی حسنؑ کی زکوٰۃ　　یہ کائنات ہے گلزارِ پنجتنؑ کی زکوٰۃ
ضرور وعدۂ طفلی وفا کریں گے حسینؑ
خدا کے دین کا صدقہ ادا کریں گے حسینؑ

خُدا عظیم ہے اور اس کا دین بھی ہے عظیم　　حسینؑ عظمتِ اسلام میں ہیں صورتِ میم
جنہیں صداقتِ ذبحِ عظیم ہے تسلیم　　وہی بتائیں گے تعبیرِ خوابِ ابراہیمؑ
نبیؐ کے قلب کو آگاہیِ جگر نہ ہوئی
چھری کے نیچے تغیّر ہوا خبر نہ ہوئی

یہی ادائے تغیّر ہوئی ہے کاشفِ راز — قبول تو ہوا جذبِ خلیلؑ کا انداز
مگر بتا گئی روح الامین کی آواز — حسینؑ پائیں گے ذبحِ عظیم کا اعزاز
جہاں ثوابت و سیار تھرتھرائیں گے
وہاں حسینؑ بہتّر گلے سجائیں گے

وقارِ حمد وہ پیاسے گلوں کی خشک رگیں — جنہیں سلام کریں جذب و آگہی کی حدیں
وہی رگیں تو ہیں خیر العمل کی شمشیریں — دعائیں دیکے جنہیں فخرِ انبیاء چومیں
صدا یہ آئے گی کرب و بلا کے محشر سے
اجل بھی کٹ گئی سوکھی رگوں کے خنجر سے

سفر کا خاتمہ ٹھہرا ہلال کا خنجر — حسینؑ آئے محرم میں اپنی منزل پر
جلو میں پیکرِ کردار ناصر و یاور — تمام شانِ پیمبرؐ بصورتِ اکبرؑ
جوان بھائی تھا اپنے اصول کی صورت
بہن تھی خیمے کے اندر بتولؑ کی صورت

بہن کے چاند بھی دمسازِ قلب و جاں کی طرح — حسنؑ کا پھول بھی ہمراہ گلستاں کی طرح
نظر میں جادۂ اسلاف کہکشاں کی طرح — سحابِ عزّت کونین سائباں کی طرح
جوان ولولے بچوں کی خوش بیانی میں
خطابِ زندگی اصغرؑ کی بے زبانی میں

دہم کی صبح رفیقانِ باوفا سے خطاب — مرے مجاہدو اب تم ہو زندگی کا شباب
بساطِ ارض پہ لکھ دو وہ روشنی کا نصاب — کہ پھر نہ آئے یہ تاریکیٔ عمل کا عذاب
تغیرات کی نبضوں پہ اُنگلیاں رکھ دو
فلک کی گود میں مقتل کی سُرخیاں رکھ دو

کوئی زمانہ ہو مقتل کی سُرخیاں کہہ دیں — شکست کھا گئیں ظالم یزید کی فوجیں
خدا کی راہ میں سب اِس طرح جہاد کریں — ورق ورق پہ نویسانِ حالِ جنگ لکھیں
علیؑ کے شیر شجاعت کے نقش چھوڑ گئے
بہادروں کے بدن پر برچھیوں کو توڑ گئے

اُٹھا غبارِ وغا برچھیاں چمکنے لگیں — تبر ہواؤں میں لہرائے بیرقیں اُبھریں
کمانیں کڑکیں چلے تیر بدلیاں برسیں — غلاف چھوڑ کے تیغوں کی بجلیاں کوندیں
چھُڑائے ہاتھ کٹاروں نے پیش دستوں سے
قضا نے چھین لیں ڈھالیں جفا پرستوں سے

جفا پرست ہزاروں وفا کے آئینے چند — سرِ حسینؑ پہ قربان ہوئے حسینؑ پسند
گلے کٹا کے جو گذرے علیؑ کے غیرت مند — خیامِ پاک میں آیا رسولؐ کا دلبند
کہا ہم آخری رخصت کو آئے ہیں زینبؑ
بہت قریب قیامت کے سائے ہیں زینبؑ

بہن کو اب تو قیامت میں پائے گا بھائی ہزار دل زخم بدن پر سجائے گا بھائی
گلے لگا لو پلٹ کر نہ آئے گا بھائی بہن کو اب نہ دوبارہ بلائے گا بھائی
جلیں خیام یہ ساماں قریب ہے زینبؑ
تمہاری شامِ غریباں قریب ہے زینبؑ

خیالِ شامِ غریباں پہ دخترِ زہراؑ لپٹ کے روئی جو ماں جائے سے تو حشر ہوا
گلے کو چوم کے اتنا کہا مرے بھیّا بتاؤ کون بچائے گا اس بہن کی ردا
میں روکتی نہیں تم شوق سے چلے جاؤ
مگر مرے علیؑ اکبرؑ کو بھیجتے جاؤ

مجھے یقیں ہے اگر آ گئے علیؑ اکبرؑ تو پھر نہ چھین سکے گا کوئی مری چادر
میں جانتی ہوں یہ کس کا لہو ہے چہرے پر رباب جھولے سے لپٹی ہیں کیا کہوں جا کر
پسر کے سوگ میں ہیں کیا قرار پائیں گی
سہاگ لٹنے کا غم کس طرح اٹھائیں گی

حسینؑ بولے یقیناً ہے اب سہاگ کا غم رباب کے لئے تقدیر ہو گیا ماتم
ابھی تو آنکھیں ہیں اصغرؑ کی یاد میں پرنم بوقتِ عصر کہے گی یہ گردشِ عالم
زمیں میں جس نے ابھی پھول کو چھپایا ہے
اسی کا سر ہے جو نوکِ سناں پہ آیا ہے

سناں کی نوک پہ بھائی کو دیکھنا ہے بہن
کوئی عدم کا مسافر کبھی رکا ہے بہن
اب آئے گا علیؑ اکبرؑ یہ کیا کہا ہے بہن
تمہارا چاند تو مقتل میں چھپ گیا ہے بہن

یہ فوجِ اہلِ ستم سر کھلے پھر آئے گی
ردائے فاطمہؑ زہرا تمہیں چھپائے گی

ردائے فاطمہ زہرا ہے آیۂ تطہیر
ہے اس کا سایہ تو بے پردگی بھی ہے توقیر
ہجوم کوفہ ہو یا راہِ شام کی تشہیر
سفر میں بھائی کے ہمراہ جائے گی ہمشیر

کہے گا سارا زمانہ یہ قدرتِ رب ہے
حسینیت کا محافظ خطابِ زینبؑ ہے

یہ وہ خطاب تھا جس سے لرز گئیں زینبؑ
لرز کے بھائی کے قدموں پہ گر پڑیں زینبؑ
اٹھایا فاطمہؑ کے لال نے اٹھیں زینبؑ
اٹھیں تو بھائی کے دل کی صدا بنیں زینبؑ

سمجھ گئیں کہ سرِ شام بیکسی ہو گی
سکینہؑ باپ کو مقتل میں ڈھونڈتی ہو گی

سکینہؑ اشک فشاں تھی چچی کے زانو پر
خیال نہر پہ اور خوں بھرے علم پہ نظر
اسی کا نام تو ہے آس ٹوٹنے کا اثر
سُنی غریب نے جس دم یہ گفتگوئے پدر

تڑپ کے دوڑی عبا تھام کر کہا بابا
ہمارا کوئی نہیں ہے یہ کیا ہوا بابا

کہا حسینؑ نے بیٹی خدا ہمارا ہے — وہی تمہارا نگہباں وہی سہارا ہے
یہ غم نہیں ہے کہ تشنہ لبی نے مارا ہے — خدا کا دین رہے ہر ستم گوارا ہے
اب آؤ گود میں یہ وقت پھر نہ آئے گا
ہمارے بعد زمانہ تمہیں ستائے گا

زمانہ تم کو ستائے تو اتنا یاد رہے — یہ ننھے ہاتھ نہ اٹھ جائیں بددعا کیلئے
کوئی لعین جو کانوں سے کھینچ لے بندے — پدر کی جان شکایت نہ کرنا بھائی سے
وہ ناتواں ہے یہ صدمہ بھی دل پہ ڈالے گا
تمہیں بچائے گا یا بیڑیاں سنبھالے گا

پہن کے بیڑیاں کیسے چلے گا وہ بیمار — وہ دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور غضب کا بخار
گلے کا طوق کرے گا مرے غریب کو پیار — وہ تازیانوں کی بارش وہ ایک سجدہ گذار
اِس امتحاں سے اسے لاڈلی گذرنا ہے
غریب بھائی کے زخموں کو صاف کرنا ہے

وہ زخم ہی تو زمانے کا پیار ہیں بیٹی — وہ زخم ہی تو عمل کا نکھار ہیں بیٹی
وہ زخم ہی تو چمن کی بہار ہیں بیٹی — وہ زخم ہی تو حسینی وقار ہیں بیٹی
تمہارے بھائی سے اب جلوۂ امامت ہے
تمام روشنی سجادؑ کی بدولت ہے

سکینہ اب تو اُسی روشنی کے ساتھ رہو
اُسی کے سامنے کو بابا کی زندگی سمجھو
سکینہ اپنی یتیمی کا کوئی غم نہ کرو
حسینؑ جاتا ہے اب آخری سخن سُن لو
جہاں کہیں بھی پھوپھی اماں دیں پہ سو جانا
جب آئے نیند تو خود ہی زمیں پہ سو جانا

سکینہ گود سے اُتری زمیں پہ بیٹھ گئی
رواں تھے اشک مگر انتہا کی خاموشی
قریب سید سجادؑ آئے سبط نبیؐ
پسر کے سر پہ رکھا ہاتھ اور یہ بات کہی
امیرِ قافلۂ بیکساں خُدا حافظ
مرے مریض مرے ناتواں خُدا حافظ

جواب سید سجادؑ کیا لکھوں قیصرؔ
اُٹھے عصا کے سہارے سے یا علیؑ کہہ کر
پدر کے چہرۂ اقدس پہ کی جو ایک نظر
سمجھ گئے کہ چچا ہیں نہ اب علیؑ اکبرؑ
سکوتِ صبر میں ہر اضطراب ڈوب گیا
اُجالے روتے رہے آفتاب ڈوب گیا

عظمتِ فن

"کیا کیا چراغ" اہلِ بصیرت جلا گئے نُورِ ادب سے بزمِ ادب جگمگا گئے
ذہنوں کو عرشِ فکر کی راہیں دکھا گئے پیمائشِ سُخن کے طریقے بتا گئے
سمجھا کے نحوِ شاعری میزانِ صرف سے
ایک ایک لفظ تول گئے حرف حرف سے

کتنے عظیم تھے وہ رئیسانِ علم و فن زندہ ہے جن کا نام بعنوانِ علم و فن
جب تک رہیں گے آرزو مندانِ علم و فن آواز دے گی بوٹے گلستانِ علم و فن
جتنا بھی کاروانِ سخن کا نظام ہے
سب اہلِ فن کی عطر فشانی کا نام ہے

اہلِ ہُنر سے پوچھیے سرمایۂ ہُنر کیسے خرد نواز صحیفے ہیں جلوہ گر
اوراق کھولتے ہیں ادب پروری کے در گلدستۂ خیال مہکتا ہے ہر نظر
ظاہر ہو جب سخن گُلِ صنعت لئے ہوئے
خوشبوئے طبع پھرتی ہے جرأت لئے ہوئے

کہتے ہیں نظم نظمِ تخیّل کے آبشار — فصلِ سخن پہ خوب ہوئی بارشِ بہار
تحریر کے لبوں پہ ہے تقریر بار بار — موتی لٹا گئے ہیں تکلّم کے تاجدار
انسان کو ملیں گے خزینے شعور کے
ہر بحر میں رواں ہیں سفینے شعور کے

چشمِ نصاب میں وہ بلاغت کے بادشاہ — چمکے جو آسمانِ فصاحت پہ مثلِ ماہ
نبّاضِ کاروانِ سخن صاحبِ نگاہ — منزل بنا گئے ہیں جو نقد و نظر کی راہ
اوج و حشم دکھا کے عروضی نشان کا
قانون دے گئے ہیں زبان و بیان کا

قانون کے خلاف جہاں بھی زباں کھلی — فوراً فسادِ فکر و نظر کی دکاں کھلی
یہ بات بالعموم دمِ شائیگاں کھلی — بولی زباں صلاحیتِ فن یہاں کھلی
پابندیٔ اصولِ سخن میں کمال ہے
ورنہ بساطِ شوق بساطِ زوال ہے

تعمیر اک خیال ہے سامان کے بغیر — پھولوں کو کیا سجائیں گے گلدان کے بغیر
کچھ ذکرِ معرفت نہیں عرفان کے بغیر — سودا جواہرات کا میزان کے بغیر
ثابت ہوا سلیقۂ گفتار چاہیے
باتیں تو سب زباں کی ہیں معیار چاہیے

محفل کی آبرو ہیں نفاست پسند لوگ
روحِ معاشرہ ہیں شرافت پسند لوگ
تاریخ سے جدا نہیں جدت پسند لوگ
تہذیب کے ستون ہیں نظامت پسند لوگ
انگشتری کے ساتھ نگینے کی بات ہے
علمِ عروض بھی تو مدینے کی بات ہے

توسیعِ فکر لفظ تراشی کے سلسلے
تمیزِ حُسن و قبحُ کے صد رنگ آئینے
ایجاز، روزمرہ، محاکات، زاویئے
سب کچھ ملا ہے محنتِ اہلِ کمال سے
جلووں سے راہِ شوق سبھی روشنی ملی
کامل تھے پیش رو تو ہمیں آگہی ملی

پڑھ لیجئے عبارتِ ایوانِ مرثیہ
تزئینِ قصرِ علم ہیں ارکانِ مرثیہ
قائل ہوئے صفات نگارانِ مرثیہ
صورت گرِ ادب ہے دبستانِ مرثیہ
بے داغ زندگی کی طلب مرثیے میں ہے
انسانیت کا سارا ادب مرثیے میں ہے

فہرستِ کاروانِ بصیرت کو دیکھکر
ہم نے جو کی نگاہ فصیلِ انیس پر
دیکھے چراغ صورتِ خورشید جلوہ گر
پیش دبیرِ ذہن کھُلے دفترِ ہُنر
تصویر دیکھ لی جو عروجِ حیات کی
دُنیا سے کہکشاں کے اُجالوں نے بات کی

بچشمِ مطالعہ سے اُجالوں کی گفتگو جس طرح فرش و عرش سماعت میں رُوبرُو
نور و ظہور و ولولہ و کیف و رنگ و بو سب پر محیط دائرۂ ذوقِ جستجو
ہر نقش دوربینِ تصور سے پڑھ گئے
گیتی کے پھول چاند ستاروں سے بڑھ گئے

پھولوں میں ایک پھول ادب کا حسیں گلاب یوں کہئے اپنے عہد میں جس کا نہیں جواب
جس کی مہک شعور کی منہ بولتی کتاب جس کے جلو میں فن کے طلب گار شیخ و شاب
فضلِ خدا سے جو گلِ شاخِ شمیم ہے
اُس قادرِ سخن کا تخلص نسیم ہے

صدیوں سے اہلِ علم کا وہ گوشۂ حسیں یعنی دیارِ ہند میں امروہہ کی زمیں
یہ منفرد گلاب شگفتہ ہوا وہیں گویا متاعِ عہد بنا عہد آفریں
سب خوبیاں ضمانتِ کردار ہوگئیں
ماں کی دعائیں علم کی دستار ہوگئیں

نورِ بقا چراغِ تمنا کو مل گیا خوشبو مزاج گلشنِ دنیا کو مل گیا
اشرف جو نسلِ مورثِ اعلیٰ کو مل گیا یکتا گہر خزانۂ یکتا کو مل گیا
سب نے کہا نشانِ کرم ایزدی کا ہے
شجرے میں یہ شجر بھی امامِ تقیؑ کا ہے

سینے میں باغ باغ ہوئے حسرتوں کے داغ چھلکے مسرتوں سے امیدوں کے سب ایاغ
تارے فلک سے توڑ کے لانے لگا دماغ نورِ نظر کے نور سے دل میں جلے چراغ
آنکھوں کی روشنی کو گلے سے لگا لیا
برجیس نے ستارۂ تقدیر پا لیا

تقدیر میں جو باپ کا سایہ تھا مختصر بڑھ کر دعائے نورِ یتیمی ہوئی سپر
یوں بھی کلیدِ غم سے کھُلے رحمتوں کے در مستقبلِ حیات کی حد آ گئی نظر
تابندگی سفر کی نگہبان بن گئی
منزل کی چھاؤں باپ کا ارمان بن گئی

دادا نے اپنا عکس جو دیکھا بہ آب و تاب تعبیر میں بدل گیا تکمیلِ فن کا خواب
اُبھری حیاتِ نو متبسّم ہوا شباب لازم تھا اب جہانِ طبیعت میں انقلاب
چرچے چمن چمن ہوئے طبعِ سلیم کے
پڑھنے لگا زمانہ قصیدے نسیم کے

پڑھ کر درود غنچۂ کام و دہن کھِلا لکھ کر سلام طبعِ رواں کا چمن کھِلا
پھولا پھلا مزاجِ گلستانِ فن کھلا باغِ خیال بھر کے دمِ پنجتنؑ کھِلا
شہرِ ادب میں شہرتِ اوجِ بیاں ہوئی
پوری ادا سے مرثیہ گوئی جواں ہوئی

وہ لکھنؤ کا شہر وہ گہوارۂ ادب یعنی زمیں کی گود میں سیّارۂ ادب
وہ انقلاب فکر کا شہ پارۂ ادب دامن میں جس کے سینکڑوں مینارۂ ادب
دیکھا ہے ہم نے ناظمہ درسگاہ میں
طُرّہ تھا عظمتوں کا نسیمی کلاہ میں

وہ مجلسیں وہ اہلِ مودّت کا ازدحام اک سمت عالموں کی نشستیں با احترام
منبر کے سامنے شعرائے قادر الکلام وہ تا بہ انتہائے نظر منتخب عوام
کہتی تھی مرثیے کی فضا جھوم جھوم کے
زندہ ہوں میں نسیمؔ کے ہونٹوں کو چوم کے

مطلع سے تا بہ مقطع اک آئینۂ نظام معیارِ پختگی سے تسلسل کا اہتمام
یکساں وہ بندوبست، وہی ندرتِ کلام ڈھونڈے جو کوئی نقص تو کہئے خیالِ خام
قائم رہائے حق ہے وہ جھونکے نسیمؔ کے
برسا رہے تھے پھول دریچے شمیم کے

رطب اللساں ہوئے جو رموز آشنا نسیمؔ اقدارِ مرثیہ نے کہا مرحبا نسیمؔ
سنتے رہے یہ اہلِ عزا کی صدا نسیمؔ شاباش ناظمِ سبقِ کربلا نسیمؔ
کیا منزلت ہے تیرے خیالِ نفیس کی
جنّت سے آ رہی ہیں دعائیں انیسؔ کی

جن پر درایتوں کی سند وہ روایتیں قائل ہوں مستند علماً وہ درایتیں
منعم بھی دست بستہ رہیں وہ رعایتیں گویا یقیں خالق دو جہاں کی عنایتیں
المختصر جواب یہی ہے سوال کا
صدقہ ملا نسیمؔ کو زہراؑ کے لال کا

مصرعوں کے رنگ راز خرد کھولتے رہے شیریں نکات کان میں رس گھولتے رہے
نقادِ زورِ فکر و بیاں تولتے رہے مضمون آیتوں کی زباں بولتے رہے
عالم وہ بندشوں کی ادائے بلند کا
ہر بیت نے حصار کیا بند بند کا

تلمیح کی دھنک سے عیاں واقعے کا رنگ تنصیصِ حرف و لفظ پہ حیراں نقوشِ سنگ
شمشیرِ گفتگو پہ وہ صیقل کی جلترنگ ترصیعِ پر عمل تھا نہ آیا کہیں پہ زنگ
آئینہ جب دکھا یا مراۃ النظیر کا
لے آئے مہر و ماہ سے نقشہ غدیر کا

ہر وقت نگاہ کا حل پا گئے نسیمؔ کانٹوں پہ چل کے مثل نسیم آ گئے نسیمؔ
کہنے کس امتحان میں گھبرا گئے نسیمؔ خوبی سے ساری الجھنیں سلجھا گئے نسیمؔ
اہلِ زباں کو لہجۂ بے باک دیدیا
دنیا کو لطف و نشر کا ادراک دیدیا

جو پیروِ حسینؑ ہو نازو نیاز میں
کیسے خلل ہو اُس کے سخن کی نماز میں
اعجاز صوت بھر دے جو صنعت کے ساز میں
رکھتا ہے وہ حقیقتِ مرسل مجاز میں
جو ذہن ذکرِ سبطِ پیمبرؐ کے ساتھ ہے
ظرفِ زمان و ظرفِ مکاں اُس کے ہاتھ ہے

اللہ رے نسیمؔ کا اندازِ خوش نہاد
فرمائیں جس پہ نابغۂ روزگار صاد
ہو تا نہ کیوں زباں و تخیّل میں اجتہاد
شرعِ سخن پہ ناصرِ ملّت نے دی ہے داد
سیفِ تخیّلات سے میدانِ فن لیا
شاہوں کو رشک ہو وہ خراجِ سخن لیا

مضمونِ عقدِ فاطمہؑ اک نظم شاہکار
جس میں تمام لفظ عقیدت کے آبشار
گلزارِ مرثیہ میں وہ سب سے جدا بہار
کہیئے جسے کمالِ سخنور کا اعتبار
زیبا ہے افتخار نوشتِ عظیم پر
برِّ صغیر ناز کرے گا نسیمؔ پر

یوں مرثیے میں فلسفۂ غم بیاں کیا
ارباب فلسفہ میں اُٹھا شور مرحبا
غم کی افادیت میں دلیلوں کا سلسلہ
سمجھایا آنسوؤں میں ہے دریائے ارتقا
غم ہے بصارتوں کا احاطہ کئے ہوئے
آنسو نہیں تو آنکھ ہے پتھر لئے ہوئے

گذرے گا کاروانِ تجسس جہاں جہاں کہدیگی ہر قدم نگہٖ اہلِ کارواں
راہِ لسانیات میں منزل کا ہر نشاں کہلائے گا نسیمؔ کی محنت کا گلستاں
شاہد ہے حرف و لفظ کی دنیا لغات میں
موجود ہے نسیمؔ ادب کی حیات میں

عالم، فقیہہ، معتمدِ فکر و آگہی آئینہ دل، عمیق نظر، مُنکسر ذکی
ایماں سرشت، خُلق ادا، عجب سے بَری بے لوث، وضع دار، حیا آشنا سخی
یہ سب صفات آئینہ دارِ نسیمؔ ہیں
اس شان کے بشر تو یقیناً عظیم ہیں

انساں کی حیثیت سے خطائیں بھی ہیں ضرور لیکن درِ حسینؑ سے پیا ہے مئے طہور
اس زاویئے سے غور کریں صاحبِ شعور سایہ کیئے ہے مدحتِ آلِ نبیؐ کا نور
علم و عمل کے حُسن سے محروم تو نہیں
معصوم کے غلام ہیں معصوم تو نہیں

کیا روشنی کے شہر کراچی میں حق نظر سُنئیے نہیں ضمیر کے ہونٹوں سے یہ خبر
کل تک وہ بے مثال سخنور تھا جلوہ گر جیتے تھے قدر داں جسے منبر پہ دیکھ کر
سبزہ تو آج بھی ہے مگر دلکشی نہیں
جس باغ میں نسیمؔ نہیں تازگی نہیں

ہم کیا کہیں نسیمؔ کی فرقت نے کیا کیا
اب ہر قدم پہ دھوپ ہے سایہ نہیں رہا
تاریکیاں ستائینگی مہتاب کیوں چھپا
کہتی ہے تارِ زخم سے احساس کی صدا
محفل سجی ہے مسندِ محفل اُداس ہے
اب کون دھڑکنوں کو سُنے دل اُداس ہے

وہ ناؤ اب کہاں ہے جو ساحل شناس تھی
ڈوبی وہ نبضِ آگہی جو دل شناس تھی
بے شک وہ شخصیت تھی جو منزل شناس تھی
یعنی "بجھی وہ شمع" جو محفل شناس تھی
ڈھونڈینگے کربلائے سخن کے کلیم کو
زندہ خیال یاد رکھیں گے نسیمؔ کو

ذوقِ طلب سفر میں ہے رستہ بتائے کون
خالی ہیں طاق رمز نگاری سجائے کون
نکتوں پہ اصطلاح کی خوشبو لگائے کون
خارز میں فکر قلم سے اُٹھائے کون
سامان اضطراب کے معلوم ہو گئے
کتنے ہلال بدر سے محروم ہو گئے

آئینہ ہیں نسیمؔ کے اوراقِ زندگی
ہر سانس ہمتوں کے قلم سے لکھی ہوئی
قربان کی حدیقۂ زہرا پہ ہر خوشی
سینے میں کربلا کا چمن لب پہ یا علیؑ
آغاز یہ کہ خلعتِ مدح و ثنا ملا
انجام یہ کہ سایۂ آل عبا ملا

داخل ہوئے جو مسجد آلِ عبا میں ہم
اک قبر دیکھتے ہی اُٹھا دل سے ابرِ غم
لے آئی ایک شکل تصوّر میں چشمِ نم
فوراً یہ بیت کلکِ عقیدت نے کی رقم
دائم سکوں بر خاطرِ آلِ محمدؐ است
ایں جا قیامِ شاعرِ آلِ محمدؐ است

تحریکِ مرثیہ ہوئی احساس کی کتاب
تکمیلِ درد بن کے اُٹھی موجِ اضطراب
پلکوں پہ آنسوؤں کو میسّر ہوا شباب
میدانِ کربلا میں نظر آیا انقلاب
پیکر میں روشنیٔ مشیت دکھائی دی
قرآں کرے سلام وہ صورت دکھائی دی

لوحِ جبیں میں صولتِ آدم لئے ہوئے
آنکھوں میں حکمتِ بنِ مریمؑ لئے ہوئے
سینے میں قلبِ سرورِ اعظمؐ لئے ہوئے
دستِ خرد میں نبضِ دو عالم لئے ہوئے
لیکر ثبات یادِ خدا کے سکون سے
تاریخ لکھ رہا ہے کوئی اپنے خون سے

مقتل ورق تو نوکِ قلم ہے لہو کی دھار
ہر سانس کی گرفت میں رفتارِ روزگار
کہتا ہے زندگی سے عبارت کا اعتبار
لمحے ہیں ماہ و سال کی گردش کے شہسوار
بیداریاں حیات کا دستور ہو گئیں
صدیاں سمٹ کے حلقۂ عاشور ہو گئیں

کرتا ہے وقت چہرۂ عاشور پر رقم — اک بے وطن کے دم سے ہے دینِ خدا کا دم
پیغمبروں کے جذبۂ ایثار کی قسم — ہاں آبِ علم اُٹھے گا تو مظلوم کا علم
بے وزن بات بندشِ نہرِ فرات ہے
پیاسے کے اختیار میں آبِ حیات ہے

چاروں طرف ہیں جبر کی خونخوار برچھیاں — تیغیں بنی ہوئی ہیں تشدّد کی بجلیاں
تیروں کی شکل ظلُم کی پُرہول آندھیاں — ایسے میں ایک جسم پہ زخموں کی سُرخیاں
بندہ ہے کوئی عالمِ ہوش و حواس میں
یا ضبط کا خُدا ہے بشر کے لباس میں

پیاسا ہے فاطمہؑ کا غریب الوطن پسر — مظلوم ہے پیمبرؐ کونین کا جگر
بستی علیؑ کے لال کی سوتی ہے خاک پر — اب کیا ہے بیکسی کے سِوا لُٹ چکا ہے گھر
منزل ہی زندگی ہے مسافر کے واسطے
تیاریاں ہیں سجدۂ آخر کے واسطے

منظر میں اب حسینؑ ہیں اور صبر کی بہار — قرباں ادائے شکر ہے تنہائیاں نثار
جن میں بدن کا خون وہ ذرّے ہیں غمگسار — ایسے میں آنسوؤں کا تقاضا ہے بار بار
گریاں ہو غم وہ غم کا سراپا سُنائیے
روحِ نسیم کو خطِ صغراؑ سُنائیے

صغرا کا خط ہے اشک فشانی کا وہ بیان — ماں باپ کے کلیجوں سے اُٹھنے لگے دھواں
الفاظ بن کے آئے ہیں احساس کی زباں — بھائی بہن کا پیار سُنے گا یہ داستاں
دل کیا سُنائے خونِ تمنّا کے سامنے
محشر بپا ہے قاصدِ صغرا کے سامنے

ہنگام عصر آیا جو صغراؑ کا نامہ بر — دیکھی عجیب حالتِ سلطانِ نامور
تنہا کھڑے ہیں کرب و بلا کی زمیں پر — چاروں طرف عزیزوں کے لاشے لہو میں تر
زخمی بدن پہ ساری کہانی لکھی ہوئی
بازو بتا رہے ہیں کمر ہے جھکی ہوئی

اتنے نشان زخم کہ جن کا نہیں شمار — ڈوبا ہوا لہو میں گریباں کا تار تار
سوکھے ہوئے لبوں پہ فقط شکرِ کردگار — تکتے ہیں ایک ننھی سی تربت کو بار بار
ظاہر ہے صاف تیر سے بازو چھدا ہوا
چہرے پہ تازہ خون کسی کا مَلا ہوا

لاشوں کو چومتی ہے تڑپتی ہوئی نظر — دریا سے ہمکلام ہے ٹوٹی ہوئی کمر
بر قبابِ ضبط جسم کے زخموں پہ ڈال کر — لاتے ہیں یہ سُخن کبھی سوکھی زبان پہ
پروا نہیں جو موردِ رنج و الم رہوں
یارب میں امتحان میں ثابت قدم رہوں

مجھ کو قبول آگ مرے خیموں میں لگے کچھ غم نہیں لگیں جو طمانچے سکینہ کے
عابد کے پاؤں کانٹوں پہ منظور ہیں مجھے اسلام کی بقا رہے زینبؑ کا سر کھلے
خنجر پھرے حسینؑ کے ہر مہ جبین پر
آئے نہ حرف احمدِ مرسل کے دین پر

یارب مرے حرم کو میسر نہ ہو اماں یارب مرے یتیموں کے آنسو رہیں رو
دشمن مرے غریب کو پہنائیں بیڑیاں دیکھے برہنہ سر مرے ناموس کو جہا
ہر ایک غم نصیب ہو مجھ تشنہ کام کو
لیکن بچا لے اُمّتِ خیر الانام کو

قاصد جو دیکھتا رہا احوال شاہِ دیں دل سے کہا یہی ہیں محمدؐ کے مہ جبیں
بعد سلام عرض یہ بولا وہ خوش یقیں اے نورِ حق محافظِ ایوانِ مرسلیں
اک کشتۂ فراق کا پیغام لایا ہوں
صغرأ کا نامہ بر ہوں مدینے سے آیا ہوں

صغرا کا نام سُنتے ہی چونکے شہِ انام اُٹھا وہ دل میں درد کہ تھرّا گئے امام
پہلے اُسے جواب میں اُس کے کیا سلام فرمایا پھر کہ اے مرے مونس خجستہ کام
آیا ہے تو جو منزلِ آفت نصیب پر
احساں کیا ہے تو نے حسینؑ غریب پر

اے دوست کیا کروں ترے آرام کا خیال   اب میں ہوں اور خنجرِ قاتل ہے اتصال
جو کچھ ہے تیرے سامنے ہے بے وطن کا حال   پانی بھی دے سکا نہ تجھے فاطمہؑ کا لال
میں کس قدر اکیلا ہوں صحرا سے پوچھ لے
کب سے یہ ہونٹ خشک ہیں دریا سے پوچھ لے

کیا تجھ سے گفتگو غمِ دل کے سوا کروں   اس وقت میرے پاس دُعا ہے دعا کروں
جی چاہتا ہے حقِ تواضع ادا کروں   قاصد میں لُٹ چکا ہوں عدالت کیا کروں
جو میری زندگی تھے وہ پیارے گزر گئے
تیروں سے دشت میں مرے موتی بکھر گئے

خط لے کے شاہِ دیں نے عبارت پہ کی نظر   بیٹی کا چہرہ آیا حجابِ نگاہ پر
آنکھیں کچھ اور نم ہوئیں لفظوں کو چوم کر   جیسے وہ کہہ رہی ہو تڑپ کر دمِ سفر
لے چلیے اپنے ساتھ مرا دل نہ توڑیے
بابا مجھے مدینے میں تنہا نہ چھوڑیے

مضموں کے ساتھ ساتھ بڑھا اضطرابِ جاں   لپٹی جگر کے درد سے فرقت کی داستاں
ہر نکتۂ خیال تھا آہوں کا ترجماں   ظاہر تھیں حرف حرف سے صغرا کی ہچکیاں
جملے پڑھے جو سامنے ایک ایک نام کے
دل کیا ہلا کہ ہل گئے پردے خیام کے

باقرؑ کے نام علم بھری زندگی، دعا عابدؑ کے نام بھائی سلامت رہیں سدا
فضہؑ کے نام شکریۂ خدمت و وفا مادر کے نام صرف بلانے کی التجا
لکھا تھا نام ثانیٔ زہراؑ کے سامنے
میرا بھی ذکر کیجیے بابا کے سامنے

لکھ کر چچا کا نام یہ پیغام لکھ دیا سب سے سوا ہیں آپ قریب شہِ ہدیٰ
کیا آپ کو بھتیجی سے الفت نہیں ذرا میں سوچتی تھی غم نہیں موجود ہیں چچا
جب وہ کہیں گے سبطِ نبیؐ لوٹ آئینگے
اس کی خبر نہ تھی کہ مجھے یوں بھلائینگے

چھوٹی بہن سکینہؑ سے کچھ اس طرح کلام تم نے بھی کیا بھلا دیا اپنی بہن کا نام
گھر میں پکارتے ہیں تمہیں پیار سے تمام بابا سے تم ہی کہتیں تو بنتا ہمارا کام
کوشش ذرا کرو یہ بہن چین پائے گی
صغراؑ تمہارے ہاتھ دُھلانے کو آئے گی

اصغرؑ کے واسطے یہ لکھا تھا بصد دعا تم گھٹیوں چلے کہ نہیں میرے مہ لقا
ہے کس کے ہاتھ لوریاں دینے کا سلسلہ جھولے میں مسکرانے کا انداز آگیا
دکھیا بہن کو چاند سی صورت دکھاؤ گے
دن کونسا وہ ہوگا جو گودی میں آؤ گے

اکبرؑ کو یہ لکھا تھا کہ اے غیرتِ قمر — پردیس میں بھلا دیا خواہر کو اس قدر
وعدہ کیا تھا آنے کا آئے نہ بھول کر — اچھا ہمارے پیار کا ہم کو دیا ثمر
کچھ بھی اثر نہیں ہے بہن کے بلانے میں
جب آؤ گے کہ ہم نہ رہیں گے زمانے میں

جب آنسوؤں کی دھاڑوں میں خط پڑھ چکے امام — دیکھا فلک کو لائے زباں پر خدا کا نام
شاید کیا ہوا اور بھی قاصد سے یہ کلام — اے بھائی دیکھتا ہے یہ لاشیں یہ فوجِ شام
کیسی خزاں ریاض کو برباد کر گئی
صغراؑ کو کیا خبر کہ یہاں کیا گزر گئی

اے بھائی اس جہان سے اصغر گزر گئے — ننھے گلے پہ تیر لگا خوں میں بھر گئے
ماں باپ کے ریاض کو برباد کر گئے — چھ ماہ کے ابھی تو ہوئے تھے کہ مر گئے
مجھ کو انہیں کی قبر سے فرصت ابھی ہوئی
لے دیکھ میرے ہاتھوں میں مٹی بھری ہوئی

ہمشکلِ مصطفیٰؐ کی کہانی میں کیا کہوں — یہ داستاں خود اپنی زبانی میں کیا کہوں
کیونکر مٹی نبیؐ کی نشانی میں کیا کہوں — نوکِ سناں اور ان کی جوانی میں کیا کہوں
برچھی لگی ہے سینے پہ دل پاش پاش ہے
اے بھائی دیکھو وہ علیؑ اکبر کی لاش ہے

صغراؑ سے کہنا ختم ہوا تیرا انتظار — گھڑیاں کسی کے ہجر میں کرنا نہ اب شمار
ڈیرے خزاں کے پڑ گئے رخصت ہوئی بہار — اکبرؑ کبھی نہ آئینگے اے میری گلعذار
سینے پہ ہاتھ رکھے ہوئے آہ بھرتے تھے
جب دم اکھڑ رہا تھا تجھے یاد کرتے تھے

صغرا سے کہنا باپ کی بستی اجڑ گئی — کہتے ہیں جس کو چین وہ صورت بگڑ گئی
اے لاڈلی حسینؑ سے تو کیا بچھڑ گئی — وہ وقت ہے کہ چادرِ زینبؑ کی پڑ گئی
محشر میں شیرِ ضیغم یزداں کو دیکھنا
جنت میں جا کے اپنے چچا جاں کو دیکھنا

پیغام لے کے قاصد صغرا رواں ہوا — مولا نے خط کو لاشہ اکبرؑ پہ رکھ دیا
دل تھام کر یہ تربت بے شیر سے کہا — جاؤ بہن کی گود میں اے میرے مہ لقا
فرقت میں بھائیوں کی بڑا اضطراب ہے
صغراؑ بلا رہی ہے کہو کیا جواب ہے

قیصرؔ مآلِ کارِ سخن خوب ہو گیا — دربارِ اہلبیتؑ میں اب مانگیے دعا
یارب بہارِ مرثیہ گوئی رہے سدا — قائم رہے جہاں میں گلستاں نسیم کا
اہلِ عزا کے سر پہ ہو گلباری حسینؑ
تا حشر زندہ باد عزاداریٔ حسینؑ